يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ

تقلید ائمہ

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی

ناشر

(مولانا) معاذ الاسلام سنبھلی

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

تقلیدِ ائمہ

ائمہ اربعہ کے مختصر حالات، نیز تقلید کی اہمیت و ضرورت پر
ایک جامع و عظیم تالیف

مؤلف

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی

ناشر

مولانا معاذ الاسلام سنبھلی
مدرس مدرسہ عربیہ مرادآباد (یو پی)

باھ

محفوظ الحسن سنبھلی

حق محفوظ ہیں

نام کتاب — تقلید ائمہ

مؤلف — مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی

ناشر — مولانا معاذ الاسلام صاحب سنبھلی

تعداد — ایک ہزار

قیمت — آٹھ روپیہ

باہتمام — محفوظ الحسن سنبھلی

مطبوعہ — جمال پریس دہلی ۱۱۰۰۰۶

کتاب ملنے کے پتے

۱. محفوظ الحسن سنبھلی ۳۳ بارہ دری ہجالہ سنبھل	۵. ڈاکٹر محمد شعیب دیپا سرائے سنبھل
۲. ادارۂ اشاعت دینیہ نظام الدین' نئی د	۶. مولانا معاذ الاسلام مدرسہ امدادیہ مرادآباد
۳. کتب خانہ رشیدیہ جامع مسجد ،	۷. دہلی کتب خانہ جامع مسجد دیوبند
۴. سنبھلی بک ڈپو لال کنواں	۸. کتب خانہ فخریہ مرادآباد

فہرست مضامین

ہدیۂ تشکر	۳	غیر مقلدین کو وہابی کیوں کہا جاتا ہے؟	۶۲
عرضِ ناشر	۵	تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات	
تاثرات مفتی عتیق الرحمٰن صاحب	۶	کی حقیقت اور ان کا جواب	۶۳
پیش لفظ	۸	اندھی تقلید	۹۳
مقدمہ	۱۳	حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ	۹۹
مقصدِ تقلید اور اس کی حقیقت	۲۱	امام صاحب کے حالات	۱۰۰
اجتہاد اور تقلید کی ضرورت	۲۳	امام صاحب کے متعلق بشارتِ نبوی	۱۰۱
اسلافِ امت و اکابرِ دین کی تقلید	۲۷	امام صاحب تابعی تھے	۱۰۲
تقلید کی تعریف	۲۸	امام صاحب کا علم	۱۰۳
تقلید کا ثبوت	۳۲	" عبادت و ورع اور تلاوت	۱۰۵
تقلید کے بارے میں شاہ ولی اللہ		" جود و سخا اور شفقت	۱۰۶
کا مسلک	۳۶	امام اعظم ثقہ، صدوق اور	
عہدِ صحابہ و تابعین میں تقلید	۳۷	جید الحافظ تھے	۱۰۷
تقلیدِ شخصی میں انحصار	۴۰	امام صاحب پر جرحیں اور ان کا	
تقلیدِ شخصی کا رواج	۴۳	اجمالی جواب	۱۳۵
مذاہبِ اربعہ میں تقلیدِ شخصی کا انحصار	۴۶	تفصیلی جواب کی تمہید	۱۳۶
مذاہبِ اربعہ میں تقلیدِ شخصی کا انحصار		تفصیلی جواب	۱۴۴
شخصی واجب ہے	۴۸	فقہ حنفی کے مسائل کے	
تقلیدِ شخصی کا وجوب	۴۹	ثبوت میں احادیث و	
ائمہ حدیث مقلد تھے	۵۳	آثار	۲۰۹
امام ابو حنیفہ کی تقلید اور اس کا پھیلاؤ	۵۸	ایک شبہ اور	
عدمِ تقلید کا آغاز	۶۰	اس کا جواب	۲۳۶

عرض ناشر

۱۸۵۵ء کے بعد نجدیوں سے متاثر ہو کر ہندوستان میں غیر مقلدیت کے فتنہ نے جنم لیا اور ایک چھوٹی سی جماعت نے تقلید کو ایک گمراہی قرار دے کر مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کی فضا کو وسیع اور ائمہ کرام خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہؒ کے خلاف بے بنیاد الزام تراشی، سب و شتم اور رکیک حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا جو آج تک جاری ہے۔

علمی لحاظ سے تقلید کے ثبوت اور عدم تقلید کے جواب و نتائج پر نہ صرف علماء مقلدین بلکہ بعض منصف مزاج علماء غیر مقلدین کی بھی بڑی تعداد میں مستند کتابیں موجود ہیں لیکن اردو میں ایک ایسی جامع کتاب کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو جامع ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہو کہ جس سے عوام و خواص سب ہی استفادہ کر سکیں۔

الحمد للہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی (جن کے علمی روحانی اور سیاسی مقام سے نہ صرف ضلع مراد آباد بلکہ پورا ملک واقف ہے) نے انتہائی جامع، مدلل و محقق کتاب (تقلید ائمہ) مرتب فرما کر پوری امت خصوصاً مقلدین حضرات پر بڑا احسان فرمایا۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

جب تقلید پر احقر کی کتاب چند ماہ سے حضرت مولانا علیل تھے اور بار بار اس کا اظہار فرماتے تھے کہ یہ میری آخری علالت ہے، سب کی یہ خواہش تھی کہ یہ کتاب ان کی زندگی ہی میں چھپ کر تیار ہو جائے اور اس کے لیے مولانا مرحوم کے پوتے عزیزی مولانا محفوظ الحسن صاحب نے غیر معمولی جد و جہد بھی کی لیکن تدبیر پر تقدیر غالب آئی اور اس جد و جہد کے درمیان ہی میں وہ گھڑی آ پہنچی جس نے حضرت مولانا کو ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کے انتقال کے بعد کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ کتاب کی طباعت مزید مؤخر ہوتی چلی گئی اور پورے دو سال کے بعد کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ کتاب کی طباعت اسی ماہ (نومبر) میں مکمل ہو رہی ہے جو مولانا کی وفات کا مہینہ ہے۔

معاذ الاسلام عفی عنہ سنبھلی، مدرس مدرسہ امدادیہ، مراد آباد

نومبر ۱۹۷۷ء

ھدیۂ تشکر

یہ کتاب تقلید ائمہ مسلسل تین سال کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس کی طباعت میں جو دقت و دشواری تو کتابت کا مرحلہ اس کی تصحیح اور پھر پریس اور پروف وغیرہ کا دیکھنا اور کتاب کی جلد سازی وغیرہ کرانا میرے بس کا روگ نہ تھا اس کیلئے میں دل سے دعا گو اور شکر گذار ہوں عزیز محترم مولانا حافظ سعید الحسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ برادر زادہ مولانا ظہیر احسن مرحوم و مغفور کا جنہوں نے نہایت محنت اور جفاکشی اور پوری توجہ کیساتھ اس کام کو حسن و خوبی انجام دیا۔

دوسری مشکل اس ہوش ربا گرانی کے زمانہ میں اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں مالی دشواری درپیش تھی مگر خداوند کریم نے پردہ غیب سے ایسی صورت پیدا کر دی کہ جس میں اس کی قدرت پر حیرت ہوتی ہے کہ میرے چند مخلص احباب نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور مالی اعانت فرما کر مجھ کو اس قابل کر دیا کہ میں اس تالیف کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں ان سب کا دل سے شکر گذار ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔

اسمائے گرامی معاونین

۱۔ مولانا الحافظ الحاج عبد الحق صاحب آنندی نیز گجرات کے دیگر احباب۔
۲۔ دہلی کے بعض احباب بتوسط مولانا منظور احمد صاحب ترکی جہلمی۔
۳۔ محب مکرم الحاج محمد فاروق صاحب مالک بیڑی نمبر ۱۰ رام پور۔
۴۔ احباب بنارس بذریعہ مولانا ابو القاسم صاحب نعمانی۔
۵۔ الحاج شیخ ولایت حسین صاحب، الحاج شیخ عبد المجید صاحب امروہہ۔

تاثرات حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی مرحوم کی سرگرمیوں اور اصلاحی کوششوں کا اصل میدان اگرچہ تقریر و خطابت تھا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اس میدان کے شاہسوار تھے لیکن عمر کے آخری حصہ میں تصنیف و تالیف کی وادیٔ پرخار میں بھی داخل ہو گئے تھے اور وقت کا بڑا حصہ اسی خدمت میں صرف کرنے لگے تھے۔ رسالہ "تقلید ائمہ" بھی اسی دور کے اسی ذوق کی ایک کڑی ہے۔ مرحوم اس دنیا میں ہوتے اور ازراہِ تعلق اخلاص مجھے مشورہ کرتے تو میں ان سے بے تکلف عرض کرتا کہ زمانے کے تقاضے بدل گئے ہیں اور خدمتِ علم دین کی بہت سی شکلیں ہیں۔ "وہ فروعی مسائل کو چھوڑ کر اصولِ مذہب کی خدمت کیجئے" اور اپنی صلاحیتوں کو اس میں کھپا دیجئے۔ لیکن اب وہ ہمارے مشوروں سے بے نیاز ہو چکے ہیں، ان کی روح "تقلید ائمہ" کی اشاعت سے خوش ہوگی اور ہم ان کی روح کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک مسئلہ تقلید اور اتباع ائمہ ہدیٰ کا تعلق ہے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک قدرتی تاثر مسرت ہے جو ہمارے دینی دلائل سے بے نیاز ہے۔ موقع کی مناسبت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں اس سے مسئلہ تقلید ائمہ پر بھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں:

> میں نے ایک جگہ بیان کیا تھا کہ ہم علی الاطلاق غیر مقلدین کو برا نہیں کہتے ہیں۔ دیکھئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خود مقلد نہ تھے مگر ہم ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں لیکن اس زمانے کے اکثر غیر مقلدین سے بے شک ہم کو شکایت ہے ان میں سوائے الا ماشاء اللہ دو چیزیں بہت بڑی ہیں ایک ائمہ کے ساتھ بدگمانی دوسرے ان کی شان میں بدزبانی باقی ہم نفس غیر مقلدی کو حرام نہیں کہتے غیر مقلدی بھی ایک مسلک ہے لیکن اس وقت کے عامہ لوگوں کو ہم پسند نہیں، بہت سی چیزیں ہم کو جائز ہیں مگر بعض طبائع کے نزدیک ناپسند ہوتی ہیں مثلاً اوجھڑی جائز ہے مگر نفیس مزاج و لطیف الطبع لوگ اس کو پسند نہیں کرتے

(اسعد الابرار ملفوظات ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی چیز نہ تھی سوائے اللہ رسول کے۔ اس لیے حضرت کے یہاں ہر مشرب کے لوگ تھے۔ غیر مقلد بھی وہابی بھی، بدعتی بھی اور سلسلہ میں داخل کرنے کے لیے اختلافات میں کسی سے کوئی شرط نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں سب ٹھیک ہو جائیں گے۔ آگے رہ الفرید: یہ حالت خاص حضرت کے شایان شان تھی، دوسروں کو ایسا مناسب نہیں۔ ایک غیر مقلد کو بیعت فرمایا، وہ نماز میں دوبدو علم ہو کہ انھوں نے رفع الیدین اور آمین بالجہر سب چھوڑ دی تو خوش نہیں ہوئے اور فرمایا کہ وہ آگے کو فرمایا اور اگر تمہاری رائے ہی بدل گئی ہو تو خیر ورنہ اگر میری وجہ سے ہوا ہو تو ترک سنت کا وبال مجھ پر لیے تو تمہیں ایسا کرنا بھی سنت ہے، وہ بھی سنت ہے۔ سبحان اللہ حدود کے اندر کیسا توسع تھا۔ اگر کوئی شخص توسع کرے تو وہ حدود سے نکل جائے۔

(امین الکلام ص ، ملفوظات ۲۳)

لیے واقعہ ہے جس طور پر اس طرح کے عبارت سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، شروع سے یہی انداز صحیح ہے۔ ایسی حالت میں مرحوم مؤلف کے دلائل و عبارت کا تجزیہ بھی کیسے کیا جائے۔ اور ان کی محنت کی داد کن الفاظ میں دی جائے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہ کر وسعت و رواداری کا جذبہ عام کیا جائے۔ علمائے راسخین کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے اور یہی حق ہے۔

اے کمالِ حسن کے دیوانے
ماورائے حسن بھی ہے اک بات

عتیق الرحمن عثمانی
ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۶
۱۵ ذی القعدہ ۱۳۹۷ھ
مطابق ۳ نومبر ۱۹۷۷ء

ادا ہو گیا۔ جب تک آزادی کے انصرام کا وقت آیا تو یہ کہہ کر کہ میرا انعام یہی ہے کہ میرا ملک آزاد ہے۔ آپ سیاست کو خیرباد کہہ کر پھر علم و تصنیف کے دامن میں واپس آگئے اور بر سہا برس اسی مبارک شغل میں مصروف رہے ہندوستان کے مختلف حصے جنہوں نے استفادہ کیا میں قرآن و حدیث کا درس دیا اپنے بزرگوں کے قدم بقدم حدیث اور قرآن کی خدمات خدمت کے ساتھ فقہ کی حدیث سے وابستگی ہے جس کی ایک مثال یہ تصنیف ہے اس طرح سے وہ بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق کی ایک تصویر ہیں جو ان کی زندگی ہے آپ کا مطالعہ وسیع گہرائی اور گیرائی کا حامل اپنے موضوع سے متعلق جدید و قدیم تمام معلومات پر نظر ہے۔

نیز مسائل کے بارے میں متقدمین و متاخرین کی رائے اور حوالے جمع کر کے حضرت مصنف اور مصنف درج فرماتے ہیں۔ اور یہ کتاب اس دعوے کا بین ثبوت ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اس کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک دور میں اور پھر تابعین تبع تابعین محدثین کرام اور علماء عظام کے زمانوں میں جس طرح عمل اور ثبوت کے ساتھ تقلید کو ثابت کیا گیا ہے اس کے بعد اگر چاہتے ہیں غیر مقلدین حضرات ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اور ضد چھوڑ کر انصاف، سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے مغالطے سے بچے رہیں۔

تقلید کے اقسام شرعی و غیر شرعی شخصی و غیر شخصی کو تاریخ وار بیان کر کے واضح کیا گیا ہے کہ کس زمانہ تک کس قسم کی تقلید رائج رہی اور دوسرا رجحان کیوں اور کب شروع ہوا ان تفصیلات کو پڑھ کر پوری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

کتاب کا انداز بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے کہیں کہیں منطقی پیرایہ بیان ہے نیز عنوانات کی ترتیب بھی الفاظ میں بہت مناسب ہے۔ مثلاً شریعت میں تقلید کا

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی چیز نہ تھی سوائے اللہ
والوں کے۔ اس لیے حضرت کے یہاں ہر قسم کے لوگ تھے غیر مقلد بھی
وہابی بھی، بدعتی بھی اور سلسلہ میں داخل کرنے کے لیے اختلافیات میں
سے کوئی شرط نہ تھی، فرمایا کرتے تھے میاں سب ٹھیک ہو جائیں گے
آنے دو اور یہ حالت خاص حضرت کے شایان شان تھی، دوسروں کو
ایسا مناسب نہیں، ایک غیر مقلد کو بیعت فرما لیا، دوسرے دن بعد ظہر
کے انھوں نے رفع یدین اور آمین بالجہر سب چھوڑ دی تو خوش نہیں
ہوئے اور فرمایا بلا کر، وجہ دریافت فرمائی اور اگر تمہاری رائے میں بدل گئی
ہو تو خیر ورنہ اگر میری وجہ سے ہوا ہو تو ترک سنت کا وبال اپنے
اوپر نہیں لینا، یہ بھی سنت ہے، وہ بھی سنت ہے" سبحان اللہ!
حد ہو گئے اور یہ گنجائش تھی، اگر یہ کوئی شخص وسعت کرے تو وہ حدود سے نکل جائے۔

(مجلس الحکمۃ ص ۔ ملفوظات ۲۳)

یہ واقعہ ہے جس طور پر اس طرح کے حیات سے زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے،
ضرورت ہے کہ یہی اتفاق صحیح ہے، ایسی حالت میں مرحوم مؤلف کے دلائل و عبارات کا تجزیہ
بھی کیا جائے۔ اور ان کی محنت کی داد کھلے الفاظ میں دی جائے۔ ضرورت اس کی ہے کہ
اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہ کر وسعت اور رواداری کا جذبہ عام کیا جائے۔ علمائے
ربانیین کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے اور یہی حق ہے۔

اے کمال حسن کے دیوانے
ماورائے حسن بھی ہے اک بات

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۶

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

مطابق ۲ نومبر ۱۹۷۷ء

پیش لفظ

از مولانا رشید الوحیدی القاسمی

ناظم شعبہ دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۹۶ء

عبد الوہاب نجدی، قاضی شوکانی، داؤد ظاہری اور ابن حزم کے اثرات سے متأثر ہو کر ایک چھوٹی سی جماعت برابر تقلید کے خلاف مصروف کار رہی ہے اور اس جرأت مندانہ گستاخی کا اعلان کرتی رہی ہے کہ جلیل القدر ائمہ کرام کے مقابلہ میں قرآن و حدیث کو وہ لوگ زیادہ سمجھتے ہیں لہذا ان ائمہ کی بات نہ مانی جائے۔ ان کے عقل و فہم کے مقابلہ میں اپنے عقل و فہم پر، کم عقل و کم علمی پر ہر شخص بھروسہ کر کے قرآن و حدیث سے دین کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ ان کی اس ابلہ فریبی اور تقلید کی حقانیت کی ایک کھلی ہوئی دلیل تو یہی ہے کہ ہر زمانہ میں سواد اعظم ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید کا نہ صرف قائل رہا ہے بلکہ اس پر عامل بھی ہے۔

علمی لحاظ سے تقلید کے ثبوت کیلئے قدیم و جدید مستند حوالوں کی کمی نہیں ہے۔ اسی طرح عدم تقلید کے خلاف نہ صرف علماء مقلدین بلکہ اکابر غیر مقلدین نے بھی عقلاً و نقلاً بہت کچھ دلائل پیش کر دیئے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ کوئی وسیع المطالعہ صاحب علم و تحقیق ان حوالوں کو یکجا کر کے پیش کر دے تاکہ لوگوں کے سامنے مسئلہ کا ہر پہلو واضح ہو جائے۔ زیر نظر تصنیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی مدظلہ کا وہ تحقیقی اور عالمانہ کارنامہ ہے جس میں یہ خوبی بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔

غیر مقلدین حضرات ہندوستان میں عدم تقلید کی اشاعت اور اس نظریہ کے قیام کے حوالے اور اسباب بتانے میں ایک سبب یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نہ صرف خود غیر مقلد تھے بلکہ اس تحریک کے داعی اور مبلغ تھے۔ (دیکھو ترجمان وہابیہ از مولانا) اس کتاب میں اس خیال اور غلط فہمی کی قلعی کھلتی ہوئی ملے گی کہ یہ شاہ صاحب پر کس قدر عظیم بہتان اور ان کی خدمت حدیث کو عدم تقلید کا نام دیا گیا ہے بات صرف اتنی سی ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں لوگ فقہ کی طرف زیادہ متوجہ تھے شاہ صاحب نے اس دور میں احادیث کو رائج کرنا چاہا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ نے فقہ ائمہ یا تقلید کا رد فرمایا۔

مولانا امیر قسمری رحمہ اللہ نے اپنی تحریروں اور تجربوں سے ثابت کر دکھایا ہے کہ عدم تقلید امت کیلئے کس قدر مضر اور تقلید کس قدر ضروری ہے اس طرح موافق و مخالف علماء کے حوالے و دلائل پیش کر کے مسئلہ کو اور بھی واضح کر دیا ہے اور اس قدر معلومات سے فاضل مصنف کا تبحر بھی سامنے آجاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل صاحب سنبھلی مدظلہ ایک طرف قرآن و حدیث کے علوم پر کمال عبور رکھتے ہیں آپ کی تصنیف انوار التنزیل قرآنی مطالعہ کے صرف ایک پہلو کی تصویر ہے۔ علم تصوف کے ذوق و رنگ کو صرف تلمذ کے طور پر نہیں بخشا ہے بلکہ اس میدان کے ابر کار رواں شیخ طریقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے مسترشد و خلیفہ مجاز ہیں آپ کو تصوف کی تاریخ پر بھی اچھا عبور ہے آپ کی کتاب مقامات تصوف قابل مطالعہ ہے۔

آپ علماء مجاہدین کی صف میں آتے ہیں ہندوستان کے ملکی سیاست پر سالہا سال نمایاں رہے جیل کاٹی پولیس کی سختیاں برداشت کیں اور یہ سب اپنے ملک پر غیروں کے تسلط کے خلاف کیا اور جب اس غیر کا بوریا بستر بند ہو گیا ہندوستان

آزاد ہو گیا۔ جنگ آزادی کے انعام کا وقت آیا تو ابر کرم کا سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ میرا ملک
آزاد ہے۔ آپ سیاست سے کنارہ کش ہو کر پھر تعلیم و تصنیف کے دامن میں دوبارہ آگئے
اور برابر اسی مبارک مشغلے میں مصروف رہے۔ ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے اضلاع کا
سما قرآن و حدیث کا درس دیا اپنے بزرگوں کے قدم بقدم حدیث اور قرآن کی مخلصانہ
خدمت کے ساتھ فقہ کی حدیث سے وابستگی ہے جس کی ایک مثال یہ تصنیف ہے جس
طرح سے وہ کے جام شریعت و رکئے سندان عشق کی ایک تصویر مولانا اسمٰعیل کی زندگی نظر
آتا ہے۔ آپ کا مطالعہ وسیع گہرائی اور گیرائی کا حامل اپنے موضوع سے متعلق جدید و قدیم تمام مصنفات
پر نظر ہے۔

جزء مسائل کے بارے میں متقدمین و متاخرین کی رائے اور حوالے مع کتاب، صفحہ
اور مصنف درج کرتے ہیں۔ اہل علم کو اب اس دعوے کا یقین ثبوت ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت عہد میں اس کے
بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک دور میں اور پھر بتدریج تابعین، تبع تابعین
علمائے کرام، ائمہ عظام کے زمانوں میں جس طرح دلیل اور ثبوت کے ساتھ تقلید کو ثابت
کیا گیا ہے اس کے بعد گرچہ ہمارے بھائی غیر مقلدین حضرات بہت دعویٰ کو کافی سمجھیں اور ضد
اور ہٹ دھرمی، بے اعتدالی، بے سنجیدگی اور تشدد سے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید
کے عقیدہ پر قائم رہیں۔

تقلید کے اقسام شرعی و غیر شرعی شخصی و غیر شخصی کی تاریخ اور بیان کر کے واضح کیا گیا
ہے کہ کس زمانہ تک کس قسم کی تقلید رائج رہی پھر دوسرا رجحان کیوں اور کب شروع ہوا
ان تفصیلیں کو پڑھ کر پوری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

کتاب کا انداز بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے کہیں کہیں منطقی پیرایہ بیان
ہے لیکن عنوانات کی ترتیب کے لحاظ سے بہت صاف ہے۔ مثلاً شروع میں تقلید کی

مقصود حقیقت، ضرورت، حکم اور موضوع ہے۔ رکھا اس کے بعد جو کہ غیر مقلدین حضرات
کا اصل نشانہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں اور ان پر عدم حدیث کا الزام ہے اس لئے امام
صاحب کی عظمت حدیث کی گئی ہے اور پھر ترتیب وار ساری کتاب ذیلی عنوانات
پر مشتمل ہے اور آخر میں شبہات اور ان کے جوابات دے کر مسئلہ کی جزئیات کو اور بھی منقح
کر دیا ہے۔

بڑے بڑے محدثین کرام کی ایک بڑی فہرست مولانا اسمٰعیل صاحب نے دی ہے
اور ثابت کیا ہے کہ یہ حضرات بھی کسی نہ کسی امام کے مقلد اور ان کی طرف منسوب ہو کر
مشہور ہوئے ہیں تو پھر خود کو اہل حدیث کہنے والے کیا ان محدثین کرام سے بڑھ گئے ہیں؟ پھر
ان میں رفتہ رفتہ تقلید شخصی واضح کیوں ہے۔

غرض یہ کتاب بہت سے شبہات کا شافی علاج اور بہت سی غیر مقلدین حضرات
کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا مداوا ہے بشرطیکہ غیر جانبدار ہو کر خلوص سے اس کا
مطالعہ کیا جائے۔

ایسی علمی کتاب پر قلم اٹھانا مجھ جیسے طالب علم کیلئے مشکل کام تھا مگر محض مصنف
کے حکم کی تعمیل کے طور پر مسودہ پوری کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھا اور اس بڑی ذمہ داری سے
عہدہ برآ ہونے کیلئے مزید مطالعہ کرکے ٹوٹے پھوٹے یہ تاثرات پیش کئے ہیں۔ یہ واقعہ
ہے کہ کتاب کا مطالعہ نہایت خلوص اور غیر جانبداری سے کیا ہے۔ مطالعہ کے وقت
حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب کے خلوص کے تعلق و عقیدت کے علاوہ کسی بات پر اثر انداز ہوئی نہ کسی طرح کا
خاص رجحان ذہن پر مسلط رہا۔ اس کے باوجود پوری کتاب کو ختم کرتے کرتے تقلید کی
ضرورت کو ماننا پڑا اور یقین ہو گیا کہ آزادی ذہن اور عدم تقلید
کی متعاقب ہے۔ اس خیال پر ایمان لانا پڑا۔ اسی طرح صرف ایک جگہ کے علاوہ کتاب
کے انداز بیان اور طرز تفہیم پر کہیں کوئی کھٹک پیدا نہ ہوئی بلکہ ہمیشہ اور مصنف کا ہر یہ

عجب ہے کہ چودہویں صدی ہجری میں جا کر کچھ ایسے لوگوں نے نشو و نما پائی جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو بے اصل سمجھنے لگے۔ اس جملے کے سیاق و سباق کو بار بار دیکھنے کے باوجود تقلید کو بے اصل سمجھنے لگے۔ اس صورت میں جو ذہن میں یہ کیوں ایسا ہوا کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب نہیں ملا۔

یہ ساری کتاب آئینہ کی طرح واضح اور روشن ہے۔

شاید اللہ پاک ان چند سطور کے بدلے میں اخلاق حق کے اس جہاد عظیم میں مجھے بھی شریک فرمالے۔ ائمہ کرام اور محدثین عظام کی روح مجھ سے راضی ہو جائے گی اور سید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا کیونکہ جس سے اللہ کا رسول راضی ہو اس سے اللہ راضی ہو گیا۔

رشید الوحیدی
جامعہ کالج جامعہ ملیہ اسلامیہ
نئی دہلی
۱۷ر اگست ۱۹۷۵ء

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی هدانا الدین القویم وفصل لنا فی کتابه احکام التحلیل والتحریم وبعث الینا رسولاً یزکینا ویعلمنا الحکمة والکتاب ویذبّنا عن الخطاء ویهدینا الی الصواب۔

اللّٰهم فصلّ وسلم علیه صلوٰةً تجازی عناءه وتکافی غناءه وعلی اهل بیته وصحبه وائمة دینه الذین هم مصابیح الهدٰی وینابیع التقٰی فمن اقتدٰی بایهم عند اختلاف مسالکهم اهتدٰی ومن اتّخذ رأی نفسه واتبع هواه فقد غوٰی۔ امّا بعد۔

ائمہ دین اور اساطین امت کی تقلید یعنی مسائل جزئیہ اجتہادیہ میں ان پر اعتماد کر کے بغیر طلب دلیل ان کے قول کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا مذہب اسلام کا نہایت اہم اور ضروری مسئلہ ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور آغاز اسلام سے اس کی ضرورت اس درجہ تسلیم کی گئی کہ زمانۂ نبوت سے دوسری صدی کے اواخر تک تقلید بصورت شخصی عام مسلمانوں میں

رائج ہو چکی تھی اور تیسری صدی کے آتے آتے تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں کا رواج
ہو چکا تھا اور پھر چوتھی صدی کے اخیر میں تمام مسلمانوں میں تقلید شخصی پر اتفاق اور
اجماع ہو گیا اور آج تک اس کا رواج امت محمدیہ میں برابر بدستور چلا آرہا ہے۔

فرقہ اہل حدیث کی طرف سے اس سنت قدیمہ کا انکار کیا جاتا ہے اور
بھولے بھالے ناواقف مسلمانوں کو ائمہ مجتہدین کی تقلید سے روک کر ان کو
گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نیز تقلید ائمہ پر طرح طرح کے لچر اور بودے
اعتراضات کر کے عام مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کی سعی کی جاتی
ہے۔ ساتھ ہی ائمہ دین کی شان میں عموماً اور امام ابو حنیفہ کی شان میں
خصوصاً انتہائی گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

فرقہ اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحد کے خوشنما القاب سے مزین کر کے
آوازہ بلند کرتا ہے کہ احناف حدیث نبوی سے محروم اور قیاس کے قائل ہیں حالانکہ ائمہ کرام
اپنے اپنے زمانہ میں آفتاب ہدایت و تقوی اور علوم دینیہ، حدیث و تفسیر
اور فقہ و کلام کے روشن چراغ اور اجابت الی اللہ کے درخشاں ستارے تھے۔
اور ان ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل
رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید شخصی پر چوتھی صدی کے بعد سے تمام امت مسلمہ کا اجماع
اور اتفاق رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کو غیر مقلدین حضرات
بھی اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں اور جن کے بارے میں جناب نواب صدیق حسن
خاں صاحب بھوپالی نے اپنی کتاب "تقصار جیود الاحرار" میں مجتہد العصر اور مجدد
دین لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:-

هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة	تمام امت محمدیہ یا اس کے معتد بہ حضرات
قد اجتمعت الامة او من يعتد بها	کا آج تک اس پر اتفاق اور اجماع

منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا، وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى لاسيما في هذه الايام التي قصرت فيها الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي رأي برأيه وما ذهب اليه ابن حزم ان التقليد حرام فغلط.
(حجة الله البالغة ص [illegible] ج ۱ مصري)

رہا ہے کہ ان مذاہب اربعہ مدونہ کی تقلید کرنا درست اور بہت سے مصالح ہے۔ خصوصاً فی زمانہ کہ لوگوں کی ہمتیں قاصر ہو گئی ہیں اور رگ و پے میں ہوائے نفسانی بھر گئی ہیں اور ہر شخص کو اپنی رائے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور ابن حزم کا یہ زعم اور خیال کہ تقلید حرام ہے غلط ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة.
(عقد الجيد ص [illegible])

جاننا چاہیے کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں فرماتے ہیں:-

"در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است بہتر و خوب است۔"

یعنی اعمال کے سلسلے میں چاروں مذاہب کی پیروی جو تمام مسلمانوں میں رائج ہے نہایت عمدہ اور پسندیدہ ہے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمہ مائۃ مسائل میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ہرگز مقلد ایشان را یعنی مخالف سنت نگفت زیرا کہ تقلید ایشان

تقلید حدیث شریف است باعتبار ظاہر و باطن۔"

یعنی ائمہ اربعہ کے مقلدین کو ہرگز بدعتی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان ائمہ کی تقلید ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے حدیث شریف کی تقلید ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دین اسلام نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن مجید اور حدیث شریف کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی تابعداری اور حفاظت ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے تمام ممکن اور مستحسن ذرائع کا حاصل کرنا ضروری اور فریضہ محمودیت ہے۔

لہٰذا شر و فتن کے اس دور میں اور الحاد و زندقہ کے اس زمانہ میں مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں خود رائی کو چھوڑ کر ائمہ مجتہدین کی تقلید اور تابعداری کرنے میں جس قدر دین کی حفاظت اور عمل کی پابندی ہے، ترک تقلید میں اس کا پاسنگ بھی نہیں۔

دراصل ائمہ مجتہدین کی تقلید کا مقصد بھی دین کی حفاظت اور قرآن و حدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے (حضرت شاہ صاحبؒ کے قول کے موجب تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں اور ترک تقلید میں بے انتہا مفاسد اور خرابیاں ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین علماء میں سے بھی بعض کو اس کا زبردست احساس ہوا ہے۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم جو کہ غیر مقلدین کے نہایت جوشیلے امام اور ترک تقلید کے زوردار حامی تھے اور ہندوستان میں غیر مقلدین کی نشر و اشاعت میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے وہ اپنے رسالہ "اشاعت السنۃ" نمبر ۲ جلد ۱۱ کے ص۵۳ میں لکھتے ہیں کہ "غیر مجتہد مطلق کے لیے مجتہدین سے فرار و انکار کی گنجائش نہیں" اور جلد ۲ صفحہ ۱۹۸۸ میں لکھتے ہیں کہ "۲۵ برس

کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے باوجود مجتہد مطلق اور تقلید مطلق کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو آزادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ان فاسقوں میں بعض تو علم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز و روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود و شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں۔

کفر و ارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دین داروں کے بے دین ہو جانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں۔"

اسی طرح فرقہ اہل حدیث کے مجدد جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:۔

نقد نبتت فی ہذہ الزمان فرقۃ ذات سمعۃ و ریاء تدعی انفسہا علم الحدیث و القرآن والعمل والعرفان۔

(الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ ص ۶۷-۶۸)

یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند ریاکار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے اپنے لیے قرآن و حدیث پر علم و عمل کا مدعی ہے حالانکہ اس کو علم و عمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔

اسی مضمون کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

ثم العجب انهم يسمون انفسهم الموحدين المخلصين و غيرهم بالمشركين وهم اشد الناس تعصبا و غلوا في الدين۔

یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکر خود کو خالص موحد کہتے ہیں اور مقلدین کو (تقلید ائمہ کی وجہ سے) مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ غیر مقلدین خود تو تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غالی ہیں ۔ پھر اسی مضمون کے آخر پر لکھتے ہیں:۔

فما هذا دين الا فتنة في الارض وفساد كبير۔

یعنی یہ طریقہ (جو غیر مقلدین کا ہے) کوئی دین نہیں یہ تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم ہے۔

قاضی عبدالاحد صاحب خان پوری مرحوم (اہل حدیث) اپنی کتاب "التوحید والسنة فی رد اهل الالحاد والبدعة (الملقب به) اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ" کے ص ۲۲ میں فرماتے ہیں:۔

پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء به الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں شیعہ و روافض کے وارث و خلیفہ ہوئے ہیں۔ جس طرح شیعہ ملاحدہ و زنادقہ نیز منافقین کی حمایت کے لیے باب و دہلیز اور مدخل رہے۔ ان کا حال بھی بالکل اہل تشیع جیسا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علیؓ اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیتے ہیں اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پروا نہیں۔ اسی طرح ان جاہل بدعتی اور

کاش اب اہل حدیثوں میں ایک مرتبہ رشد پیدا کریں، تقلید کا رد کریں، اسلاف کی توہین کریں، نیز امام ابو حنیفہ کی جن کی امامت فقہ کے اندر اجماع سے ثابت ہے اہانت کریں اور پھر جس قدر کفر، بد اعتقادی اور الحاد و زندقہ ان میں پھیلا دیں وہ بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ذرا بھی نہیں جھجکتے ہوتے اور علماء و فقہاء اہل سنت چاہے ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ان کی بات بالکل نہیں سنتے۔ سبحان اللہ اشبہ الطبل بالباطن! اور وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ وہ مذہب و عقائد اہل سنت والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے منحرف اور متکبر ہو گئے ہیں۔ فافہم وتدبر

یہ بات نہایت صاف اور واضح ہے اور ہر ایک خاص و عام کو معلوم ہے کہ دنیا کے کسی بھی علم و فن میں علماء اور ماہرین کی تقلید لازماً کی جاتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ لیکن شیطان نے اہل اسلام کے اتحاد کی قوت کو پارہ پارہ کرنے اور ان میں زیادہ سے زیادہ تفرقہ پیدا کرنے کے لیے جو طرح طرح کے حربے اختیار کر رکھے ہیں، ان میں ایک حربہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں ہی کے ایک گروہ کو تقلید کی مخالفت اور تقلید کرنے والوں کی مذمت پر لگا دے اور جس چیز کے بغیر دنیا میں چارہ ہی نہیں ہے اسی کو ایک برائی، ایک گمراہی اور ایک غلطی قرار دے کر یہ گروہ نفرت اور اختلاف کی خلیج کو وسعت دے۔

ہندوستان کے بعض علاقوں میں تو یہ افسوسناک فتنہ بہت ہی زیادہ ہے اور غیر مقلد حضرات یہاں مقلدوں کے خلاف عموماً اور احناف کے خلاف خصوصاً نہایت متشددانہ رویہ اور بہت سخت روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موضوع پر ایک رسالہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے تاکہ غیر مقلدوں کے تمام اعتراضات کا مدلل جواب ہو جائے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو طعن و تشنیع اور جرح کی جاتی ہے اس کی حقیقت منکشف ہو جائے اور عام مسلمان ان غیر مقلدین کے مغالطہ اور دھوکہ سے محفوظ رہیں۔

ہم اس مختصر رسالہ میں اولاً تقلید کا مقصد، اس کی حقیقت اور ضرورت پر روشنی ڈالیں گے اور پھر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علمی و عملی فضائل اور ان کی خصوصیات کو بیان کریں گے اور اخیر میں امام صاحب پر مخالفین کی جانب سے جو جرحیں نقل کی جاتی ہیں ان کا مفصل و مدلل جواب لکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے لیے مفید اور رہنما ثابت ہو۔

آمین ثم آمین!

محمد اسمٰعیل سنبھلی

مقصدِ تقلید اور اس کی حقیقت

دین اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے احکام الٰہی کی ترجمانی
فرمائی ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز
اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی ضروری ہے۔
لہٰذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
ضروری ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صرف قرآن و سنت کی تابعداری کرے
جو شخص رسول کی بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اس کو مستقل بالذات
مطاع سمجھتا ہو وہ یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے
ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکام کی اطاعت کرے۔ لیکن قرآن و سنت
میں بعض احکام تو وہ ہیں جنہیں ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ ان میں کوئی اجمال
ابہام یا تعارض نہیں، جو شخص بھی انہیں دیکھے گا وہ سمجھ لے گا اور اسے کوئی الجھن
پیش نہیں آئے گی۔

اس کے برعکس قرآن و سنت میں بہت سے احکام وہ ہیں جن میں کسی قدر
ابہام یا اجمال ہے، اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری
حدیث سے متعارض ہیں۔ ایسے مواقع پر قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط

کو نہایت دقت طلب اور دشوار ہے۔

اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم اپنے ناقص علم، کوتاہ فہم اور نام نہاد بصیرت پر اعتماد کر کے اس قسم کے معاملات میں خود کوئی فیصلہ کر لیں اور اس پر عمل کریں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن و سنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف نے کیا سمجھا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے جن بزرگوں نے اپنی پوری پوری عمریں صرف کر کے مسائل کا استنباط کیا ان میں سے جنھیں ہم علوم قرآن و حدیث کا زیادہ ماہر دیکھیں ان کے علم و بصیرت پر اعتماد کریں اور انھوں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ غائر نظر سے دیکھنے کے بعد اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت ہر ذی ہوش کے نزدیک نہایت خطرناک ہے اور دوسری صورت بہت محتاط۔

اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ علم و فہم، ذکاوت و حافظہ، دین و دیانت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہر اعتبار سے ہم اس قدر تہی دست ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے علماء سے ہماری کوئی نسبت نہیں۔ پھر جس مبارک دور اور مقدس ماحول میں قرآن نازل ہوا تھا، قرونِ اولیٰ کے علماء اس سے بھی قریب تر تھے اور اس قربِ زمانی اور صحابہ و تابعین سے استفادہ کی بنا پر ان کے لیے قرآن و سنت کی مراد کو سمجھنا زیادہ سہل اور آسان تھا۔ اس کے برخلاف ہم عہدِ رسالت سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے لیے اس زمانہ کے طرزِ معاشرت اور طرزِ گفتگو کا جیسا کہ چاہیے تصور بھی نہایت مشکل اور دشوار ہے کیونکہ کسی شخص یا کسی دور کی بات سمجھنے کے لیے اس کے پورے پس منظر کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے مختلف التعبیر اور پیچیدہ معاملات میں اسی مطلب کو درست قرار دیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی مستند عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں آدمی کی تقلید کی۔

ہماری اس تقریر سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن و سنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں اجمال و ابہام یا کسی تعارض کی وجہ سے کوئی الجھن یا دشواری ہو۔ اور جہاں اس قسم کی کوئی الجھن یا دشواری نہ ہو وہاں کسی امام اور مجتہد کی تقلید ضروری نہیں۔ نیز مذکورۂ بالا گذارشات سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ کسی امام و مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ پیروی تو قرآن و سنت کی ہے، محض مراد سمجھنے کے لیے بحیثیت شارح قانون ان کی تشریح اور تعبیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔

اب آپ بنظرِ انصاف غور کیجیے کہ اس عمل میں کون سی بات ایسی ہے جسے گناہ یا شرک کہا جائے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی امام کو شارع کا درجہ دیکر اسے واجب الاتباع قرار دیتا ہو تو بلاشبہ اسے شرک کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی کو شارح قانون قرار دے کر اپنے مقابلہ میں اس کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرنا تو افلاسِ علم کے اس دور میں اس قدر ناگزیر ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں — پس تقلید ائمہ مجتہدین کا اصل مقصد دین کی حفاظت اور قرآن و حدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے۔ اور تقلید ائمہ اربعہ سراسر عمل بالقرآن والحدیث ہے۔

اجتہاد اور تقلید کی ضرورت

شریعت اسلامیہ میں فروعی اور جزوی مسائل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ مسائل جن کا ثبوت

ایسی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے صراحتاً ہے، جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اور ان مسائل پر ان کی دلالت قطعی ہے۔ اس قسم کے مسائل کو منصوص غیر متعارضہ کہتے ہیں اور ایسے مسائل میں اجتہاد کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی اور نہ مجتہد اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کرتا ہے، کیونکہ مجتہد کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ حکم صراحتاً منصوص نہ ہو۔ جب ان مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہیں تو ان میں کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ایسے مسائل میں ان احکام پر عمل کیا جائیگا جو آیات و احادیث سے صراحتاً ثابت ہیں۔ دوسرے وہ مسائل جن کا ثبوت صراحتاً کسی آیت یا حدیثِ صحیحہ سے نہیں، یا ثبوت تو ہے مگر اس آیت یا حدیث میں متعدد معانی کا احتمال ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول نہیں کیا جاسکتا، یا وہ کسی دوسری آیت یا حدیث سے بظاہر متعارض ہے۔ اس قسم کے مسائل کو اجتہادی غیر منصوصہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور ان کا صحیح حکم مجتہد کے اجتہاد سے معلوم ہوسکے گا۔ اور یہی وہ مسائل ہیں جن میں غیر مجتہد کو تقلید کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

اب چونکہ شریعتِ اسلامیہ کے تمام جزئی مسائل منصوص نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس ان کا صحیح حکم سمجھ سکے بلکہ بہت سے مسائل اجتہادی ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ پس اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے امتِ مرحومہ کے مخصوص افراد کو وہ ملکۂ استنباط اور قوتِ اجتہاد عطا فرمائی ہے کہ وہ حضرات نصوص و احادیث میں غور و فکر کرکے ان جزئی مسائل کے احکام مستنبط کریں جن کا نصوص میں صراحتاً ذکر نہیں ہے اور عام لوگوں کے لیے عمل کی راہ سہل اور آسان کردیں۔

حضرات صحابہ جن کو ہمہ وقت دربارِ نبوی میں حاضری کا شرف حاصل تھا

ان کو تو اس قوت اجتہاد سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہ تھی کیونکہ ان کو دربار نبوی سے تمام مسائل معلوم ہو جاتے تھے۔ لیکن صحابہ کرام کی وہ جماعت جو مدینۃ الرسول سے باہر کسی مقام پر قیام پذیر تھی یا وہ لوگ جو بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے تھے ان کو اس قوت اجتہاد کی شدید ضرورت تھی کیونکہ ایسے مسائل اجتہادیہ میں شریعت اسلامیہ پر پورے طور پر عمل کرنا بغیر اجتہاد کے غیر ممکن تھا۔ پس حق تبارک وتعالیٰ نے خیر القرون میں بے شمار صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین اور من بعدہم کو اس دولت اجتہادیہ سے نوازا اور خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت صاف اور واضح الفاظ میں اجتہاد کی تحسین اور تصویب فرمائی ہے۔

عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضي اذا عرض لك قضاء؟ قال اقضي بكتاب الله، قال فان لم تجد في كتاب الله قال بسنة رسول الله، قال فان لم تجد في سنة رسول الله قال اجتهد برأيي ولا آلو، قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره و قال الحمد لله الذي وفق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو یہ پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آ جائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے؟ عرض کیا اس وقت اجتہاد و استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ

رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ ۔

(مشکوٰۃ شریف)

بحوالہ ابوداؤد، ترمذی و دارمی

آپ نے اس پر از راہ مسرت اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مار کر اللہ کا شکر ہے، اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی اور خوش ہے ۔

تنبیہ: غور فرمائیے کہ یہ واقعہ تقلید اور اجتہاد دونوں مسئلوں کے لیے شمع ہدایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے اپنے فقہاء صحابہ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور انھیں حاکم و قاضی، معلم و مجتہد بنا کر اہل یمن پر لازم کر دیا کہ وہ ان کی تابعداری کریں۔ انھیں صرف قرآن و سنت ہی نہیں بلکہ قیاس و اجتہاد کے مطابق بھی فتویٰ صادر کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے اہل یمن کو ان کی تقلید شخصی کی اجازت دی بلکہ اس کو ان کے لیے لازم فرمایا۔

الغرض رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و منشا کے مطابق حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور پھر ائمہ مجتہدین نے مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کے ذریعہ احکام شریعت ظاہر فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اور جن لوگوں میں اجتہاد کی قوت نہ تھی انھوں نے یہ سمجھ کر کہ حضرات مجتہدین علم و فہم اور تقویٰ و دیانت میں ہم سے کہیں زیادہ فائق اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔ نیز ان حضرات صحابہ و تابعین اور مجتہدین نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ جو کچھ دریافت کیا ہے وہ درحقیقت یا تو رسول اللہ صلعم کی احادیث ہیں جو بطریق موقوف یعنی بلا سند کے ذکر کی گئی ہیں، یا ان کے مجتہد استنباطات ہیں جو درحقیقت نصوص سے لیے گئے ہیں۔ بہرصورت وہ قابل اتباع اور لائق تسلیم ہیں، انکی

مجتہدات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

ويستدل بأقوال الصحابة والتابعين علماً منهم أنها أحاديث منقولة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم موقوفة (الى ان قال) أو يكون استنباطاً منهم من النصوص أو اجتهاداً منهم بآرائهم وهم أحسن صنيعاً في كل ذلك ممن يجيء بعدهم وأكثر إصابة وأقدم زماناً وأوعى علماً فتعين العمل بها۔

(انصاف) ص ۲۱۳۔

اور اہل طبقہ یعنی تبع تابعین اصحاب اور تابعین کے اقوال سے استدلال کیا کرتے تھے کیونکہ یہ اقوال یا تو احادیث نبویہ ہیں کہ ان کو مختصر کر کے موقوفاً بیان کر دیا گیا ہے، اور یا یہ اقوال صحابہ و تابعین منصوص حکم سے خود ان کے استنباطات ہیں یا ان کی رایوں سے بطور اجتہاد لیے گئے ہیں اور حضرات صحابہ و تابعین ان جملہ امور میں ان لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کے بعد ہوئے وہ بیان صواب میں زیادہ اور زمانہ کے اعتبار سے اقدم اور باعتبار علم سب سے بڑھ کر ہیں۔ اسی لیے ان کے اقوال پر عمل کرنا متعین ہوا۔

اسلاف پر اعتماد کرنا دین کی بنیاد ہے

اپنے پیش روؤں پر اعتماد اور اعتبار کرنا اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت عظمیٰ ہے اور دولت بے بہا ہے کہ ہمارے تمام دینی و دنیوی کاروبار اسی کی بدولت چل رہے ہیں۔ علوم و فنون کی گرم بازاری اور تاریخ و حکمت کا یہ پھیلاؤ، بڑے بڑے کارنامے و لائبریریاں جو علوم و فنون کے خزانے ہیں

یہ سب اعتبار و اعتماد ہی کے ثمرات ہیں۔ اگر اخلاف اپنے اسلاف پر اعتماد نہ کرتے تو ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہوتا اور ہم وحشیوں کی طرح دنیا کے جنگل میں مارے مارے پھرتے اور انسانی زندگی کی خصوصیات اور علمی و فنی امتیازات سے یکسر خالی ہوتے۔ اسی فطری اصول کے مطابق ہر دور کے مسلمانوں میں اللہ کے نیک اور صالح بندوں اور ائمہ ہدیٰ پر اعتماد و حسن ظن رہا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو آج ہماری نظر میں جو کچھ دین اسلام کے نشانات پائے جاتے ہیں یہ کچھ بھی نہ رہتے۔ درحقیقت اعتماد اور اعتبار ہی وہ چیز ہے جو تمام شریعت کی جڑ اور بنیاد ہے۔

حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

ان الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا في ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لان الشريعة لا تعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا يستقيم الا بان تأخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال۔ (عقد الجید ص[illegible])

معرفت سنت میں تمام امت نے بالاتفاق سلف گذشتہ پر اعتماد اور اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ تابعین نے صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اسی طرح ہر ہر طبقہ میں پچھلے علماء پہلوں پر اعتماد و اعتبار کرتے چلے آئے ہیں۔ نیز عقل سلیم بھی اسی کو تسلیم کرتی ہے۔ کیونکہ شریعت بغیر نقل اور استنباط کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور نقل اسی طرح ٹھیک اور درست ہو سکتی ہے کہ ہر طبقہ پر پچھلے لوگ پہلوں سے بالاتفاق لیتے رہے ہیں۔

تقلید کی تعریف

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ شریعت اسلامیہ کی تمام تر بنیاد اسلاف کے اعتماد اور اعتبار پر ہے تو

اس حقیقت کا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ تقلید کے معنی اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ کسی شخص کا کسی ذی علم بزرگ اور مقتدائے دین کے قول و عمل کو محض حسن ظن اور اعتماد کی بنا پر شریعت کا حکم سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور عمل کرنے کے لیے اس مجتہد کے اعتماد کی بنیاد پر دلیل کا انتظار نہ کرنا اور دلیل معلوم ہونے تک عمل کو ملتوی نہ کرنا اصطلاح میں تقلید کہلاتا ہے۔

(۱) مولانا قاضی محمد اعلیٰ تھانوی اپنی مشہور کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" مطبوعہ کلکتہ [illegible] پر بعض شروح حسامی سے نقل کرتے ہیں:۔

التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل معتقداً للحقية من غير نظر الى الدليل كأن هذا المتبع جعل قول الغير او فعله قلادة في عنقه من غير مطالبة دليل۔

ترجمہ: تقلید کے اصطلاحی معنی ہوئے کسی آدمی کا دوسرے کے قول یا فعل کو بلا دلیل طلب کیے ہوئے اپنے گلے کا ہار بنا لینا، ایسی تابعداری جس کی بنا دلیل کے غور کرنے پر نہ ہو گویا کہ اس تابعداری کرنے والے (مقلد) نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا ہار بنا لیا ہے بلا دلیل طلب کیے۔

(۲) علامہ ابن ملک اور علامہ ابن العینی شرح منار مصری کے [illegible] میں فرماتے ہیں:۔

وهو عبارة عن اتباعه في قوله او فعله الحقية من غير تأمل في الدليل۔

یعنی تقلید حسن عقیدت کے ساتھ کسی کے قول یا فعل کے اتباع کرنے کو کہتے ہیں بغیر دلیل کی فکر میں پڑے ہوئے۔

(۳) "نامی شرح حسامی" مطبوعہ مجتبائی ص ۱۹۰ میں ہے:

التقلید اتباع الغیر علی ظن انه محق بلا نظر الدلیل۔

یعنی دوسرے کو اہل حق خیال کرتے ہوئے اس کی دلیل کی فکر میں پڑے بغیر اس کی تابعداری کر لینا تقلید ہے۔

مذکورہ بالا جملہ تعریفات کا حاصل صرف یہ ہے کہ مقلد مجتہد کے قول و عمل کو دریافت کر کے محض حسن عقیدت اور حسن ظن کی بنا پر عمل کرے اور اپنے اس تسلیم و عمل کے لیے مجتہد کے اجتہاد میں دلیل کی فکر نہ کرے اور نہ اس سے دلیل کا مطالبہ کرے۔ اگر بعد میں مقلد کو مجتہد کی دلیل کا علم ہو گیا، یا اپنے ذاتی علم، مطالعہ اور بحث و تفحص سے اس مسئلہ کے متعلق بہت سے دلائل دریافت ہو گئے تو یہ امر ہرگز تقلید کے منافی نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ لفظ تقلید اور اتباع مقلدین کے نزدیک مترادف اور ہم معنی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح "سبیل الرشاد" میں تحریر فرماتے ہیں، "اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں"

لہٰذا جن لوگوں نے اتباع اور تقلید میں فرق کیا ہے وہ وہم پر مبنی ہیں

لا مناقشة فی الاصطلاح۔

تنبیہ: تقلید کی اصطلاحی تعریف اور اس کے مفہوم میں اگرچہ یہ بات شامل ہے کہ تسلیم اور عمل کے وقت دلیل کا مطالبہ نہ کیا جائے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مقلد کو دلیل کا علم ہی نہ ہو۔ لہٰذا غیر مقلدوں کا یہ کہنا کہ تقلید جہالت کو مستلزم ہے کیونکہ تقلید کے مفہوم میں عدم معرفت دلیل داخل ہے یا ان کا یہ اعتراض کہ ہدایہ جیسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے والے مقلد نہیں

رہ سکتے" سراسر جہل اور غلط ہے۔ کیونکہ تقلید معرفت دلیل کے ہرگز منافی نہیں ہے لہذا کوئی مقلد مسائل جزئیہ فقہیہ کے دلائل جان لینے یا ہدایہ جیسی مدلل کتاب کے پڑھنے اور پڑھانے سے ہرگز ہرگز تقلید سے باہر نہیں ہوتا۔

ہماری اس وضاحت کے بعد مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم کے ان اعتراضات اور اشکالات کا خاطر خواہ جواب ہو جاتا ہے۔ جو انھوں نے اپنے رسالہ تقلید شخصی و سلفی ص ۱۵،۲۲ اور رسالہ فقہ و فقیہ ص ۱۲ تا اور ص ۲۳،۲۹ اور رسالہ اجتہاد و تقلید ص ۲۷،۲۸ وغیرہ میں وارد کیے ہیں۔ کیونکہ ان کے تمام اعتراضات اور اشکالات کا مشترک حاصل یہ ہے کہ انھوں نے تقلید کو معرفت دلیل کے منافی سمجھ لیا ہے۔ ہماری طرف سے ان کا مشترک جواب یہ ہے کہ تقلید کی مذکورہ بالا تعریف میں لفظ "الدلیل" سے مراد خاص وہ دلیل ہے جس کو مجتہد نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے۔ علمی زبان میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ "الدلیل" پر الف و لام عہد کا ہے۔ اور لفظ "من غیر نظر الی الدلیل" اور "من غیر تأمل فی الدلیل" من غیر مطالبۃ الدلیل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ مقلد کا بوقت اتباع مجتہد سے دلیل خاص کی طلب اور تحقیق نہ کرنا بلکہ اس کے قول کو محض حسن ظن اور اعتماد کی بنا پر ماننا اور اس کی تابعداری کر لینا تقلید ہے۔ بعد میں چل کر مجتہد کی دلیل خاص یا دوسری دلیل کا بغیر مطالبہ مقلد کو معلوم ہو جانا یا دوسرے کسی عالم سے معلوم کر لینا یا اپنے اتفاقی مطالعہ کتب کے ذریعہ، یا اپنی خداداد فہم و ذکاوت سے دلائل کا علم حاصل کر لینا یا عوام کو سمجھانے کے لیے مناظروں میں مخالفین کی زبان بندی کیلئے دلائل کو بیان کرنا مفہوم تقلید کے قطعاً منافی نہیں۔ اور تقلید ہرگز مرتبہ جہل اور بے علمی کا نام نہیں، لا اہم۔ ہاں تقلید کی مسلم الثبوت والی تعریف ۱۔

"التقليد العمل بقول الغير من غير حجة"
سے وہم ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تعریف میں تعریفات سابقہ کے قرینہ سے مضاف محذوف ہے۔ یعنی "من غیر مطالبة حجة" بغیر طلب دلیل دوسرے کی بات پر عمل کرنا۔

تقلید کا ثبوت

تقلید مطلق، جس کی تعریف اوپر بیان کی جا چکی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) تقلید شخصی۔ یعنی ایک خاص مجتہد کی طرف جو مذہب اور مسلک منسوب ہو اس کے جملہ مسائل مفتی بہا کو دلیل طلب کیے بغیر قبول کر لینا اور اس کو اپنے عمل کے لیے کافی سمجھنا۔ یہ مسائل مفتی بہا اس امام مجتہد کے بھی ہو سکتے ہیں، اس کے شاگردوں کے بھی اور ان علماء کے بھی ہو سکتے ہیں جو اس امام مجتہد کے مقلد ہوں۔ بہر حال ان سب کا مجموعہ ایک مذہب معین کہلاتا ہے، مثلاً فقہ حنفی یا مالکی وغیرہ۔

(۲) تقلید غیر شخصی، یہ ہے کہ مختلف مذاہب کے متعدد مجتہدین کے مسائل کو ان کی دلیل طلب کیے بغیر اپنا معمول بہا ٹھیرانا۔ یعنی کوئی مسئلہ کسی مجتہد کے مذہب کا لے کر عمل کر لینا اور ایک معین مجتہد کے مذہب کے تمام مسائل مفتی بہا کا پابند نہ ہونا۔

تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہ راست قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ جسے قرآن و سنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کے فہم و بصیرت اور تفقہ پر اعتماد اور اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا جواز بلکہ وجوب قرآن و سنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔

ہم یہاں پر صرف ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث نبوی علیہ التحیۃ والتسلیم سے اس کا ثبوت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تقلید کے ثبوت میں آیت:۔

یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ	اے ایمان والو تم کہنا مانو اللہ کا
واطیعوا الرسول واولی الامر منکم	اور کہنا مانو پیغمبر اور اولوالامر کے
(سورۂ نساء پارہ ۵)	مجتہدین کا جو تم میں سے ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ وتبارک نے اولی الامر کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم فرمایا ہے۔ اولوالامر کون لوگ ہیں اس کی تفسیر بعض حضرات نے سلطان اور بادشاہ سے کی ہے، بعض نے شیخ طریقت سے اور بعض حضرات نے امام مجتہد سے فرمائی ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، یہ سب اولوالامر میں داخل ہیں۔ امر دو طرح کے ہوتے ہیں، دنیاوی اور دینی۔ پھر دنیاوی کی چند صورتیں ہیں:۔

ملک کی سیاست کے اعتبار سے سلاطین اور بادشاہ اولوالامر ہیں یعنی ملکی وحکومتی انتظامات میں سلطان کا حکم بجالانا ضروری ہے ورنہ دنیاوی معاملات میں سخت قسم کا انتشار پیدا ہوگا۔ اسی طرح تدبیر منزل یعنی گھریلو نظم ونسق کے اعتبار سے وہ لوگ جو گھر میں بڑے ہوں وہی اولوالامر ہیں۔ امور خانہ داری کی انجام دہی کے لیے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے ورنہ گھر کا صحیح نظم قائم نہیں رہ سکتا وقس علیٰ ہذا۔

امور دینی کی بھی دو قسمیں ہیں، باطنی اور ظاہری۔ ظاہری کو شریعت بھی کہتے ہیں، باطنی کے اولوالامر شیوخ طریقت ہیں کہ سالکان طریقت کو ان کا

اتباع ضروری ہے ۔ اور علم ظاہری یعنی علم شریعت کے اولو الامر ائمہ مجتہدین ہیں
جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واقف اور استنباط مسائل پر قادر ہوتے
ہیں ۔ لہذا شریعت کے اولو الامر ائمہ مجتہدین ہوئے اور شرعی امور میں ان کی
تابعداری لازم ہوئی ۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ تابعداری اسی وقت تک ضروری
ہوتی ہے جب تک کہ تابعداری کرنے والا متبوع کے درجہ تک نہ پہنچا ہو ۔

اولو الامر کی اس وضاحت سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ آیت کریمہ
سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ مسلمان جو خود مجتہد نہیں ہیں ان کو کسی مجتہد کا حکم
بجا لانا واجب اور ضروری ہے ۔

چونکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم زمرۂ مجتہدین میں داخل ہیں بلکہ
بہت بڑے مجتہد ہیں اگر ان کا اتباع کیا جائے تو یہ بات اس آیت کریمہ سے
بخوبی ثابت ہے ۔ رہا یہ امر کہ حکم مجتہد روایت ہے یا درایت (اجتہاد) اور
یہ بات کہ حسن ظن کی بنا پر مجتہد کا حکم مان لیا جائے یا اس سے دلیل بھی طلب کی
جائے ۔ سو اس کا فیصلہ بھی آیت کریمہ کے الفاظ سے ہو رہا ہے ۔ وہ اس
طرح کہ اول درجہ میں خدا کی اطاعت کا حکم فرمایا گیا ہے اور دوسرے درجہ میں
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ اور تیسرے درجہ
میں مجتہدین کے فرمان پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے ۔

اب غور کیجئے کہ مجتہدین کی جو روایت قرآن و حدیث سے ہو گی وہ تو پہلے پہلے
دو حکموں میں داخل ہے اس کو علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ نیز روایت
تو غیر مجتہدین کی بھی واجب الاتباع ہے بشرطیکہ وہ ثقہ ہوں ۔ پھر اس میں
مجتہدین کی تخصیص سے کیا فائدہ ۔ پس تیسرے درجہ میں مجتہدین کی درایت یعنی
مسائل اجتہادیہ کا واجب الاتباع ہونا متعین ہوا ۔ اور اولو الامر کو بلا اعادہ

فن أطیعوا الرسول پر عطف کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بغیر مطالبۂ دلیل محض حسن ظن کی بنا پر واجب ہے اسی طرح حضرات ائمہ مجتہدین کے مسائل اجتہادیہ کی تابعداری بھی بلا طلب دلیل محض حسن ظن کی بنا پر واجب ہے البتہ دونوں جگہ حسن ظن کی وجہ مختلف ہوگی۔

پہلی جگہ، اس کی وجہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے جس کی اطاعت واجب قطعی ہے۔ اور دوسری جگہ حسن ظن کی وجہ ائمہ مجتہدین کا تفقہ اور اجتہاد ہے جس کی اطاعت واجب ظنی ہے اور مجتہدین کی ایسی اطاعت کہ جس کی بنیاد حسن ظن پر ہو وہی تقلید ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں غیر مجتہدین کو اجتہادی مسائل میں حضرات مجتہدین کی تقلید کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اور یہ حکم ہر دو تقلید شخصی و غیر شخصی دونوں کے وجوب کو شامل ہے۔ کیونکہ اولی الامر میں اضافت جنسی ہے جو ایک اور ایک سے زیادہ مجتہدین کو برابر شامل ہے۔

تقلید کے ثبوت میں حدیث:-

عن حذیفة رضـ قال قال رسول الله صلى الله علیه وسلم إنی لا أدری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی وأشار إلى أبی بکرؓ وعمرؓ (اخرجه الترمذی)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں کب تک زندہ رہوں گا سو تم لوگ ان دونوں شخصوں کی اقتدا کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ "من بعدی" سے ان دونوں حضرات کا زمانۂ خلافت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کرنا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک وقت میں خلیفہ ایک ہی صاحب ہوں گے۔ لہٰذا ابوبکرؓ کی خلافت میں ان کی پیروی کرنا اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت عمرؓ کی تابعداری کرنا۔

پس ایک زمانہ خاص تک ایک معین شخص کے اتباع کا حکم فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سے احکام اور مسائل کی دلیل بھی دریافت کر لیا کرنا۔ اور اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں جس کا ثبوت اس قولی حدیث سے بخوبی ہو گیا۔ نیز اس حدیث میں "اقتدوا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو انتظامی امور میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس کا مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو تقلید کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

تقلید کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

اب ہم صحابہ کرام اور مابعد کے دوروں میں تقلید کی تدریجی نوعیت کو بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے ناظرین کو پتہ چلے گا کہ تقلید غیر شخصی سے شخصی کیوں ضروری ہوئی اور اس کا انحصار مذاہب اربعہ میں کب اور کیوں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحؒ نے تقلید کے مسئلہ پر بڑی بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔ اور چونکہ حضرات غیر مقلدین تقلید کی مخالفت کرنے میں اکثر و بیشتر (غلط طور پر) ان کے ہی کلام کو پیش کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں اس لیے ہم اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مسئلہ کی جو وضاحت فرمائی ہے اس کو بیان کیے دیتے ہیں۔

عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ میں تقلید

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عہدِ زریں میں رواج یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور اس مسئلہ میں وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تو وہ کسی بھی صاحبِ بصیرت عالم کی طرف رجوع کرتا اور اس سے دریافت کر کے عمل کر لیتا تھا۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابۃ الی ان ظہرت المذاہب الاربعۃ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارہ ولو کان ذالک باطلا لانکروہ۔ (عقد الجید ص۳۳)

کیونکہ صحابہ کرام سے لیکر چار مذاہب کے ظہور تک یہی دستور اور رواج رہا کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کر لیتے تھے، کسی بھی معتبر آدمی نے اس پر نکیر نہیں کی، اگر یہ (تقلید) باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے۔

تنبیہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک مقلد کا اپنے امام کو تمام ائمہ پر فضیلت دینا تقلیدِ امام کے لیے ضروری نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

وردّ ان اعتقاد افضلیۃ الامام علی سائر الائمۃ غیر لازمۃ فی صحۃ التقلید اجماعًا لان الصحابۃ و التابعین کانوا یعتقدون ان خیر ھذہ الامۃ ابوبکرؓ ثم عمرؓ

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں یہ اعتقاد رکھنا بالاجماع ضروری نہیں ہے کہ میرا امام باقی اور ائمہ پر فضیلت رکھتا ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل ترین ابوبکرؓ

كانوا مقلدين في كثير
من المسائل بخلاف قولهما
وثبت بتكرر ذالك تحت
وكان اجماعا على ما قلناه
(عقد الجيد ص...)

اور پھر مجتہد تھے، اس کے باوجود
بہت سے مسائل میں ان دونوں
حضرات کی رائے کے خلاف دوسرے
صحابہ کی تقلید کرتے تھے اور اس پر
کسی نے اعتراض نہیں کیا، لہذا یہ
مسئلہ اجماعی ہے ۔

صحابہ کرام اور تابعین کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے قریب تر تھا اس وجہ سے وہ بہر حال خیر و برکت کا اور خلوص وللہیت کا زمانہ تھا اس میں تقلید غیر شخصی کے اندر کسی قسم کی بڑی مضرت کا گمان نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس زمانہ میں تقلید کے دائرہ کا وسیع ہونا کوئی تعجب خیز امر نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں علم فقہ کی تدوین بھی عمل میں نہیں آئی تھی۔ لیکن حضرات تابعین کے بعد کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے بعید ہو چکا تھا، عام طور پر طبیعتیں بھی پہلے سے مختلف ہو گئی تھیں، فساق و فجار جن پر ہوا و ہوس کا غلبہ تھا، بکثرت ہو گئے تھے اس لیے تقلید کی موجودہ وسعتوں کو تقلید شخصی میں محدود کرنا ناگزیر تھا ورنہ مفاسد کا دروازہ کھل جاتا اور شرائع و احکام شرع بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتے۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر ائمہ مجتہدین کے تفقہات کتابی شکل میں مدون ہونا شروع ہو گئے۔ جن لوگوں کو تدوین شدہ مذاہب میسر آ گئے انھوں نے اسی مذہب کی پیروی کر لی اور تقلید شخصی اختیار کی۔ البتہ جن کو وہ مذاہب میسر نہ ہو سکے وہ اس زمانہ میں بھی بدرجہ مجبوری تقلید غیر شخصی ہی کرتے رہے حتی کہ ان کو کوئی مدون مذہب دستیاب ہو گیا۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں :۔

وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقلّ من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هو الواجب في ذالك الزمان ؛

(الانصاف ص[illegible])

اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا ۔

اشتغال فی الفقہ کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدينؒ سرّ ألهمه الله تعالى العلماء وجمعهم من حيث يشعرون أو لا يشعرون ؛

(الانصاف ص[illegible])

الحاصل ان مجتہدین کا صاحب مذہب ہونا اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا یہ ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر الہام کیا اور ان کو اس پر متفق کیا چاہے اس کو جانیں یا نہ جانیں ۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تقلید شخصی کا رواج گو دوسری صدی ہجری کے بعد ہو گیا تھا مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تقلید غیر شخصی پر عامل تھے اور اس کو انھوں نے بالکلیہ ترک نہیں کیا تھا ۔ فرماتے ہیں :۔

اعلم أن الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه ؛

جاننا چاہیئے کہ چوتھی صدی ہجری سے قبل تمام لوگ متعین طور پر کسی مذہب خاص کی پیروی (یعنی تقلید شخصی) پر متفق نہیں ہوئے تھے ۔

(حجة الله البالغة ص۱۵۲ / ج ۱)

تقلید شخصی میں انحصار

جب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح امام مالک رح امام شافعی رح اور حضرت امام احمد رح کا فقہ کتابی شکل میں مدون ہو کر تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گیا اور عام طور پر رائج ہو گیا تب انہی مذاہب اربعہ میں اتباع کا انحصار ہو گیا اور پھر تقلید شخصی کے سلسلہ میں کسی کو کوئی اختلاف نہ رہا بلکہ ان کے خلاف کرنے کو سواد اعظم سے روگردانی کے مترادف سمجھا جانے لگا جو سخت ترین گناہ ہے۔

شاہ صاحب رح فرماتے ہیں:

لما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم۔	جب بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب حقہ ختم ہو گئے تب انہیں مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان چاروں مذہب سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنے کے مترادف ٹھیرا۔

(عقد الجید ص [illegible])

اور حضرت شاہ صاحب رح اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کے انحصار اور جواز تقلید پر اجماع امت ہے اور یہ قوی ترین دلیل ہے۔ فرماتے ہیں:

هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا۔	تمام امت نے یا امت کے قابل لحاظ افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے جو آج تک جاری ہے۔

(حجة الله البالغة ص [illegible] ج ۱)

اور فرماتے ہیں:-

وفي ذلك كلها من المصالح ما لا يخفى لاسيما في هذه الأيام التي قصرت فيها الهمم جداً وأشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذي رأي برأيه۔

اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں، بالخصوص اس زمانہ میں کہ ہمتیں پست ہوگئی ہیں اور نفوس میں خواہشات کا غلبہ اور ہر رائے والا اپنی رائے پر مغرور ہے۔

(حجة الله البالغة)

پھر آگے چل کر تقلید شخصی پر اعتراض کرنے والوں پر گرفت فرماتے ہیں:-

فما ذهب إليه ابن حزم حيث قال إن التقليد حرام لا يحل لأحد أن يأخذ قول أحد غير رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان .... (حجة الله البالغة)

عالم ابن حزم نے جو یہ کہا ہے کہ تقلید حرام ہے اور سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کا قول لینا بلا دلیل کے ناجائز ہے۔

تقلید کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ اگر بالفرض کوئی شخص بھی ایسے ملک میں قیام پذیر ہو جہاں کسی دوسرے مذہب کا کوئی عالم یا اس کی کتابیں موجود نہ ہوں تو اس کو مذہب حنفی کی تقلید کرنا ضروری ہے، (۱) میں تحریر فرماتے ہیں:-

فإذا كان الإنسان جاهلاً في بلاد الهند أو بلاد ما وراء النهر وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب

جب کوئی شخص ہندوستان یا ماوراء النہر میں سکونت پذیر ہو جہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کتابیں بھی میسر آسکتی ہوں تو اس

من كتب المذاهب وجب عليه ان يقلد بمذهب ابي حنيفة رح ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع ربقة الشريعة ويبقى سدىً مهملاً (الانصاف)

عامی شخص پر واجب ہے کہ وہ صرف امام ابو حنیفہ رح کی تقلید کرے ان کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لیے حرام ہے کیونکہ اس سے علیحدگی کی صورت میں وہ شریعت کی رسی اپنی گردن سے اتار پھینکے گا اور پھر یونہی آزاد پھرتا پھرے گا۔

شاہ صاحبؒ ایسے شخص کو قطعاً ناپسند فرماتے تھے جو محدثین اور فقہاء سے کنارہ کش ہو جائے۔ اپنی کتاب "الانصاف" میں فرماتے ہیں:۔

جو شخص ایسے صوفیاء کرام سے جو عالم شریعت بھی ہوں، اور ایسے علماء سے جو صوفی ہوں، یا محدثین سے جن کو احادیث نبویہ سے وافر حصہ ملا ہو، اور ایسے فقہاء سے جن کو علم فقہ سے گہرا تعلق ہو، تعلق منقطع کرے وہ شخص ہمارے گروہ سے نہیں ہے۔

تنبیہ: بلاشبہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے ایسے شواہد بھی ملتے ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ تقلید شخصی کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن شاہ صاحب کی ان ساری عبارات کو سمجھنے کے لیے ان کے گردوپیش کے ماحول سے اور اس زمانہ کے پیدا شدہ فقہی جمود سے صرف نظر نہ کرنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے فقہی مسائل اور جزئیات کو احادیث کا درجہ دے دیا تھا۔ فقہاء کی تصریحات کے خلاف کوئی حدیث اگر پیش کی جاتی تو اس کو یہ لوگ رد کر دیتے تھے۔ اور حقیقتاً ہم کو

ہندوستان میں حدیث پاک کا فروغ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے ذریعہ ہوا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی نظر میں یہ چیز ناپسندیدہ تھی، اسی وجہ سے آپ فقہی جزئیات کو کتاب و سنت پر تطبیق کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے تاکہ اقوال مختلفہ میں جو قول سنت معروف کے مطابق ہو اس کو اختیار کیا جائے۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں اتنا توسع تھا کہ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی ظاہر روایت میں موجود نہ ہوتا اور حدیث میں موجود ہوتا تو اس کو ضرور اختیار کر لیتے اور اس طریقہ کو مذہب حنفی کی تقلید کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

ومن قال مذهب ابي حنيفة ترك الاشارة بالمسبحة فقد اخطأ ولا يعضده رواية ولا دراية قال ابن همام نعم لم يذكره محمد في الاصل وذكره في الموطأ ووجدت بعضهم لا يميز بين قولنا ليست الاشارة ظاهر المذهب وقولنا ظاهر المذهب انها ليست الاشارة۔

(حجة الله البالغة ص ج ٢)

جس شخص نے یہ کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ تشہد میں انگلی سے اشارہ نہ کیا جائے، اس نے غلطی کی کیونکہ یہ نقل اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن ہمام نے فرمایا۔ ہاں اس مسئلے کو امام محمدؒ نے اصل میں ذکر نہیں کیا جو ظاہر روایت کی کتابوں میں سے ہے لیکن انہوں نے موطا میں اس کو ذکر فرمایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ فقہاء حنفیہ کی دو تعبیروں میں فرق نہیں کرتے کہ اشارہ ظاہر مذہب میں نہیں ہے، اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہیں۔

اس توسع کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض علماء دین حضرات نے شاہ صاحبؒ کو حنفی مسلک

سے الگ۔ بلکہ اس کے خلاف بھی لکھا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً خلافِ حقیقت ہے۔

یہ تھے حضرت شاہ صاحب کے نظریات مسئلہ تقلید کے بارے میں۔

اب تقلید کی تاریخی نوعیت کے متعلق کسی قدر تفصیلی جائزہ ملاحظہ فرمائیے۔

تقلید غیر شخصی کا رواج

رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے لیے مسائل جزئیہ اور واقعات حادثہ میں عمل کرنے کے لیے تین راستے تھے۔

(۱) ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲) اجتہاد۔ (۳) تقلید۔

اگر کسی صاحب کو کسی جزئی مسئلہ میں تردد ہوتا تو بشرط قرب و ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تشفی حاصل کر کے اس پر عمل کر لیتے اور اگر دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور بنا پر ملاقات نہ ہو سکتی تو قاصد کے ذریعہ یا خط و کتابت سے دریافت کرنے کی کوشش کرتے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکتا اور ان میں خود اجتہاد کی قوت ہوتی تو اپنے اجتہاد اور استنباط سے کام لیتے اور عمل کرتے۔ اور اگر قوت اجتہادیہ میسر نہ ہوتی یا اس سے کام لینا نہ چاہتے تو جو بھی عالم مل جاتا اس سے دریافت کرتے اور وہ اپنی روایت یا درایت سے جو کچھ جواب دیتا پورے وثوق و اعتماد سے اس پر عمل کرتے۔ چونکہ ان حضرات کا مقصد خالص عمل کرنا ہوتا تھا اس لیے اس کا راستہ تلاش کر کے عمل میں مصروف ہو جاتے اور قیل و قال میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چونکہ براہ راست آپ سے مسائل معلوم کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مسائل غیر منصوصہ اجتہادیہ میں صرف دو ہی چیزوں یعنی اجتہاد اور تقلید پر عمل کا دارومدار رہ گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجتہدین کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی لیکن اس وقت تک

کسی مجتہد کے اصول و قواعد منضبط نہیں ہوئے تھے اور اسی طرح مسائل و فروع بھی مدون نہیں تھے اس لیے کسی خاص معین مجتہد کے مسائل اجتہادیہ پر مطلع ہوکر اس کے مذہب معین کی پابندی اور اس پر عمل کرنا نہایت دشوار بلکہ غیر ممکن تھا۔ ادھر غیر مجتہدین میں تدین و تقویٰ اور اخلاص عمل کا جذبہ موجزن تھا، لہٰذا جس کو جو بھی مجتہد مل جاتا اس سے اپنی ضرورت کا مسئلہ دریافت کرکے عمل کرلیتا اور اس مسئلہ میں اسی کی تقلید اور تابعداری کرلیتا۔ کسی خاص مجتہد کی پابندی نہیں تھی اور نہ یہ اس وقت ہوسکتی تھی۔ تقریباً دوسری صدی ہجری کے آخر تک اسی طرح تقلید غیر شخصی جاری رہی اور اس کا ایسا عام رواج رہا کہ کسی بھی قابل لحاظ عالم نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا۔

تقلید شخصی کا رواج

دوسری صدی ہجری میں جب علماء ربانیین نے بالہام خداوندی اصول و فروع کی تدوین اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بتدریج شروع فرمایا تب بعض بعض مسائل کے ایسے مجموعے پائے جانے لگے جن کے ذریعہ ائمہ مجتہدین کے قابل ترین اور لائق تلامذہ نے اپنے اپنے اساتذہ اور اکابر کے مذاہب و مسالک کی بقا اور فروغ میں سعی بلیغ شروع کردی۔

اس طرح دوسری صدی ہجری کے بعد اکثر لوگوں میں تقلید شخصی کے رواج کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اس وقت چونکہ مذاہب مدونہ کا اس قدر عام رواج نہ ہوسکا تھا کہ ہر جگہ اور ہر شخص کو باسانی دستیاب ہوسکیں اور نیز مجتہدین کی تعداد بھی غیر محصور تھی۔ اس لیے جن لوگوں کو مذاہب مدونہ پورے طور پر میسر نہ ہوسکے وہ اس وقت بھی حسب دستور سابق تقلید غیر شخصی پر عامل رہے اور بعضوں نے ایک ایک مذہب کی پابندی کرکے

تقلید شخصی کا التزام کر لیا۔ اور پھر یہ تقلید شخصی بھی ان چار مشہور مذاہب میں منحصر نہ تھی کیونکہ ان مذاہب کے علاوہ اس وقت اور بھی بعض مجتہدین کے مذاہب پائے جاتے تھے چوتھی صدی ہجری تک یہی دور رہا۔

تقلید شخصی کا انحصار مذاہب اربعہ میں

چوتھی صدی ہجری میں جبکہ مذاہب اربعہ، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی کتب فقہ مدون ہو کر اقطار عالم میں پھیل گئیں اور ان مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب پر ہر جگہ اور ہر شخص کے لیے عمل کرنا سہل اور آسان ہو گیا اور بتقدیر الٰہی ان چار ائمہ مجتہدین امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مذاہب کے سوا باقی تمام مذاہب جو چوتھی صدی ہجری سے قبل پائے جاتے تھے اسباب حفاظت کی کمی یا اور کسی وجہ سے ختم ہو گئے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ مشیت ایزدی اسی طرح تھی کہ جس کا باقی رہنا مقصود تھا باقی رہا ورنہ فنا ہو گیا۔ اور اہل سنت والجماعت میں ان چار مذاہب کے سوا اور کوئی مذہب مروج اور معمول بہ نہ رہا اور بوجہ عدم ضرورت اجتہاد میں بھی کمی آ گئی اب چوتھی صدی ہجری میں ان چاروں ائمہ کے مذاہب میں تقلید شخصی کا انحصار ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"جب مذاہب اربعہ کے دوسرے تمام مذاہب تقریباً معدوم ہو گئے تو اب ان ہی چاروں کا اتباع سواد اعظم کا اتباع قرار پایا اور ان سے باہر ہونا سواد اعظم سے نکلنا ہوا۔" (عقد الجید)

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

"دیار و امصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہو گئی اور ان

سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہو گئے اور لوگوں نے اختلافات کے
دروازے اور راستے بند کر دیے ۔ اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف
ہو گئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا
اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں کہیں ایسے لوگ نہ کود پڑیں
جو نہ تو اس کے اہل ہیں، نہ ان کا دین اور ان کی رائے
قابل وثوق ہے لہذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انھوں نے
اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح
فرمادی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کے لیے جن کے لوگ مقلد
ہو رہے تھے ہدایت اور رہنمائی کرنے لگے ۔ اور چونکہ تداول تقلید
میں تلاعب ہے ۔ یعنی اس طرح تقلید کرتے ہیں کہ کبھی ایک امام
اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کرتے ہیں دین کھلونا بن جاتا
ہے اس لیے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے
اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پر زور دینے لگے اور صرف
نقل مذہب باقی رہ گیا ۔ اور بعد تصحیح اصول واتصال سند
بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ
سے آج بجز اس امر کے کچھ اور مطلب نہیں ۔ اور فی زمانہ مدعی
اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور اور متروک ہے اور اہل اسلام
انھیں ائمہ اربعہ کی تقلید پر منحصر ہو گئے ہیں۔"

(منقول از اوشحۃ الجید، ص ۱۰۹)

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار فضلِ ربانی ہے

مسائلِ اجتہادیہ غیر منصوصہ میں مجتہد سے کسی بھی صورت میں استغنا نہیں ہو سکتا، اور ائمہ اربعہ کے ماسوا باقی تمام مذاہب جن میں مذاہبِ حقہ بھی تھے، چوتھی صدی ہجری تک ختم ہو گئے اور آنے والے لوگوں میں مجتہد بننے کی توقع بھی باقی نہیں رہی تو اب صرف دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو لوگ اپنے اپنے خیالات کو کافی سمجھ کر اس پر عمل کرتے اور اتباعِ ہویٰ کے گناہ میں مبتلا ہوتے یا ائمہ اربعہ کے مذاہبِ حقہ محفوظہ کی تقلید اختیار کرتے اور اپنے آپ کو اتباعِ ہویٰ سے محفوظ رکھتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں میں ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کی محبت پیدا کر دی اور ان کے دین کو اتباعِ ہویٰ سے بچا لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح اپنی کتاب "الانصاف" میں فرماتے ہیں:۔

"ائمہ مجتہدین کے مذاہب کا پابند ہونا ایک رازِ خداوندی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے قلوب میں الہام فرمایا ہے اور اس پر ان کو جمع کر دیا ہے۔ وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"مجتہدین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ ان کے لیے قبولیت آسمان سے نازل ہوا ہو اس طور پر کہ ان کے علم کی طرف علماء مفسرین، محدثین اور اربابِ اصول و حفاظ کتبِ حدیث و فقہ گروہ در گروہ مائل ہو جائیں اور اس قبولیت اور علماء کی توجہ پر زمانہ دراز گذر جائیں کہ یہ قبولیت دلوں کی تہ میں بیٹھ جائے ـــ سو الحمد للہ یہ علامت ائمہ اربعہ میں پوری طرح پائی جاتی ہے"

لہذا مذاہب اربعہ عنداللہ مقبول ہیں۔

تقلید شخصی کا وجوب

اس بے دینی، کم عقلی اور نفس پرستی کے دور میں تقلید شخصی ضروری اور واجب ہے۔ اس سے کسی بھی صاحب فہم اور سلیم الطبع آدمی کو قطعاً انکار نہیں ہو سکتا۔ تقلید کے وجوب اور اس کی ضرورت کو سمجھنے کے لیے اولاً وجوب کے معنی سمجھ لینا چاہئیں کسی چیز کے واجب اور ضروری ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن و حدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی گئی ہو جیسے نماز و روزہ وغیرہ۔ اس طرح کے وجوب کو "وجوب بالذات" کہتے ہیں۔ وجوب کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس امر کی خود تو کہیں صراحتاً تاکید نہیں کی گئی ہے مگر جن امور کی قرآن و حدیث میں تاکید کی گئی ہے ان پر عمل کرنا اس امر کے بغیر ممکن نہ ہو اس لیے اس کو بھی ضروری اور واجب کہا جائے گا کیونکہ یہ ایک مشہور اصول ہے کہ "واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے" یعنی جس چیز پر کسی واجب کا دارومدار ہو وہ خود بھی واجب ہوتی ہے۔ اس کی مثال میں بہت سی چیزوں کا نام لیا جا سکتا ہے، جن میں قرآن و حدیث کی تدوین اور کتابت بھی ہے۔

دیکھیے شریعت میں کہیں بھی قرآن و حدیث کو اس طرح یکجا کرنے اور ان کو صحیفہ تحریر میں لانے کا صراحتاً حکم نہیں آیا ہے، لیکن چونکہ قرآن و حدیث کو محفوظ رکھنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا ایک شرعی فریضہ ہے جس کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ بغیر کتابت کے عادتاً ان کی حفاظت ناممکن تھی اس لیے قرآن و حدیث کے لکھنے کو ضروری اور واجب سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ دور اول سے اس پر امت کا اتفاق چلا آیا ہے۔ اس طرح کے وجوب کو وجوب بالغیر

کہتے ہیں۔

وجوب کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیل کے بعد اب یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ تقلید شخصی بھی واجب بالغیر ہے۔ کیونکہ تقلید شخصی سے اس فتنۂ بد کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے جس سے شریعت اسلامیہ نے نہایت شدومد کے ساتھ روکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔ اصلاح کے بعد زمین پر فساد برپا مت کرو۔

آیت کریمہ میں فساد کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز فتنہ و فساد کا باعث ہوگی وہ خود بھی ممنوع ہوگی اور اس کا ترک واجب ہوگا۔ چونکہ غیر مقلدیت موجب فتنہ وفساد ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا، اس لیے ترک تقلید ممنوع ہوگی اور ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کی تقلید واجب ہوگی کیونکہ اس سے فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ترک تقلید میں سراسر فتنہ وفساد ہے اس کے سمجھنے کے لیے غور فرمائیے۔

آج کے دور میں عام طور پر علمی کم مائیگی اور اخلاص وللّٰہیت کا فقدان جیسا کچھ ہے ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں اگر یہ طے ہوجائے کہ قرآن وحدیث کا مطلب جس کی سمجھ میں جو آئے وہ اس پر عمل کیا کرے اور اپنی سمجھ کے مطابق فتویٰ صادر کیا کرے تو اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ بعض لوگ تو اپنے آپ کو مجتہد سمجھ کر قیاس کرنا شروع کردیں گے اور جو اپنا اجتہاد کو احادیث سے پیش کرکے کہیں گے کہ اجتہاد کو حدیث نے کسی جماعت کے ساتھ مخصوص تو کیا نہیں ہے اور پھر ہم بھی تو آخر پڑھے لکھے ہیں۔ قرآن وحدیث کا ترجمہ ہم نے بھی دیکھا ہے یا کسی عالم سے سنا ہے۔ اور ہم اس کو سمجھ بھی گئے ہیں پھر ہمارا اجتہاد

کیوں متنفر ہو؟

اس طرح ہر کس وناکس مدعی اجتہاد ہوگا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد کے موافق فتویٰ دے گا۔ پھر ایک دوسرے کے فتویٰ کو باطل قرار دیگا۔ تو تفریق پیدا ہوگی اور امت میں سخت اختلاف اور فتنہ وفساد برپا ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک مسئلہ میاہ (مسئلہ پانی) کو لے لیجیے جو فقہ اور اکثر کتب حدیث کا پہلا مسئلہ ہے:

اذا بلغ الماء قلتین لا یحمل الخبث ۔۔ (الحدیث)	جب پانی دو قلے (مٹکے) ہو جائے تو وہ ناپاکی قبول نہیں کرتا۔

اس حدیث قلتین کی بنا پر ایک صاحب کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ پانی اگر دو قلوں سے کم ہے تو اس میں نجاست پڑ جانے سے وہ پانی ناپاک ہو جائیگا۔ دوسرے صاحب کے سامنے ایک دوسری حدیث تھی۔

الماء طہور لا ینجسہ شیء ما لم یتغیر

یعنی پانی پاک کرنے والا ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی جب تک کہ پانی میں تغیر نہ آجائے۔

جس کے پیش نظر پانی کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو وہ وقوع نجاست سے ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس پانی میں تغیر نہ آجائے ۔۔۔ تیسرے صاحب کی تحقیق یہ ہوئی کہ حدیث کے مطابق الماء طہور لا ینجسہ شیء ۔۔۔ یعنی پانی پاک کرنے والا ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔ وقوع نجاست سے پانی ناپاک ہوتا ہی نہیں، اس میں تغیر ہو یا نہ ہو، کیونکہ حدیث مستقل السند اور صفات ثلاثہ کے تغیر کے بارے میں وہ تو صحیح ہی نہیں ہوئی ۔۔۔ چوتھے صاحب امام داؤد ظاہری سے متفق الرائے ہو گئے کہ پیشاب سے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے؟

پاخانہ سے ناپاک نہیں ہوتا، کیونکہ حدیث "لا یبولن احدکم فی الماء الدائم" یعنی تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ یہ حدیث پیشاب کے بارے میں آئی ہے نہ کہ پاخانہ کے متعلق۔ پانچویں صاحب ابن حزم کے یہ خیال ہوئے کہ اگر پانی میں ہی پیشاب کیا جائے تو پانی ناپاک ہوگا اور اگر کسی برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دیا جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ چھٹے صاحب کا یہ اجتہاد ہوا کہ پانی میں پیشاب کیا جائے یا فضلہ سے مل جائے ہر صورت وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، مگر صرف اس کے واسطے جس نے پیشاب کیا۔ دوسروں کے لیے وہ طاہر و مطہر ہی رہتا ہے۔ اب یہ چھ اشخاص ہوئے فرض کیجیے کہ یہ سب کے سب ایک ہی مقام پر رہتے ہیں اور پانی کے مسئلہ میں ہر ایک کی رائے مختلف ہے اور ہر شخص کا ماخذ حدیث ہی ہے، ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دیا ہے تو ایسی حالت میں عوام کی کیا کیفیت ہوگی۔ ہر ایک اپنے مخالف کے قول کو باطل قرار دے گا اور ان علمیوں میں کتنا شدید اختلاف ہوگا اور کتنے متفرق فرقے بن جائیں گے۔

یہ تو پانی کا ایک مسئلہ ہوا۔ اس کے علاوہ نماز روزہ کے سینکڑوں بلکہ بلا مبالغہ ہزاروں احکام ایسے ہیں جن میں اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔ سو اختلافات کی وجہ سے کس قدر دنگے اور فساد کی نوبت آئے گی۔ جب ہر شخص اس کا مجاز ہوگا کہ کتاب و سنت سے جس کی سمجھ میں جو آئے اس پر عمل کرے اور فتویٰ دے۔ اور ظاہر ہے کہ انسانی طبیعتیں مختلف اور عقل و فہم جدا جدا ہیں تو پھر اتفاق کس طرح ہو سکتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ عام طور پر لوگوں میں نفسانیت بھری ہوئی ہو اور بے دینی و بے علمی کا دور دورہ ہو۔

مذکورہ بالا صورت حال جس مشغف طرح کے راستے ہوگی اس پر یہ امر

روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ غیر مقلدیت فتنہ و فساد کی جڑ ہے اور رفع فساد کے لیے اس سے احتراز نہایت ضروری ہے اور کسی خاص مذہب کی پابندی لازمی ہے

[بلکہ آج جو پیچھے تو غیر مقلدین بھی تقلید سے بچے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خیر القرون یا اس سے قریب تر زمانہ کے کسی عالم کی تقلید کے شرف سے محروم رہ کر چودھویں صدی کے کسی نام نہاد عالم و محدث کی تقلید میں پھنسے ہوئے ہیں۔]

لیکن چونکہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور امام کا مذہب مدون اور شائع نہیں اس لیے انہی چاروں میں سے کوئی خاص مذہب اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

الغرض جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ غیر مقلدیت فتنہ و فساد کی جڑ ہے اور کسی مذہب معین کی تقلید موجب صلاح اور رفع فساد کا ذریعہ ہے تو عدم تقلید ناجائز اور تقلید شخصی واجب بالغیر ہوئی۔

تنبیہ: امام معین کی تقلید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے تمام مجتہدات پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے، بلکہ امام سے منقول ان کے مستنبط مسائل میں سے جو مفتیٰ بہا ہیں ان پر عمل کرنا کافی ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مجتہد مطلق کا ہی وہ مسئلہ استنباط کیا ہوا ہو بلکہ مجتہد کے اصول استنباط کے مطابق جو بھی قابل اعتماد عالم (خواہ وہ امام کا تلمیذ ہو یا نہیں) اخراج مسائل کرے اور اس پر فتویٰ دے دیا جائے تو اس پر عمل کرنا صحیح ہوگا اور یہ مجتہد کی تقلید سے اعراض نہ سمجھا جائے گا۔ یہی معنی تقلید کے ہیں۔ مثلاً مذہب حنفی میں بھی اکثر مسائل مختلف فیہا ہیں۔ امام صاحبؒ کچھ فرماتے ہیں اور صاحبین کچھ اور فرماتے ہیں مگر فتویٰ کسی ایک کے قول پر ہے۔ پس مسائل مفتیٰ بہا کے اعتبار سے مذہب حنفی میں ایک خاص مذہب نکل آیا تو رفع فساد کے لیے اس کی تقلید کی جائے گی اور یہی درحقیقت تقلید شخصی

اپنی کتاب 'بستان المحدثین' میں تحریر فرمایا ہے کہ :-

"امام ابو داؤدؒ کے مذہب کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ان کو شافعی کہتے ہیں اور بعض حنبلی واللہ اعلم "

امام ترمذیؒ :- ابو عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، صاحب جامع ترمذی متوفی ٢٧٩ھ کے متعلق حضرت شاہ صاحب 'انصاف' میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

"یہ حنبلی المذہب ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں اور بعض اہل تحقیق نے ان کو شافعی المذہب کہا ہے "

ابن ماجہ۔ متوفی ٢٧٣ھ، دارمی۔ متوفی ٢٥٥ھ۔ ہر دو حضرات حنبلی المذہب ہیں اور اسحاق بن راہویہ کی طرف بھی منتسب ہیں، جیسا کہ 'انصاف' میں مذکور ہے۔

امام عبد الرحمن احمد نسائیؒ :- متوفی ٣٠٣ھ صاحب سنن نسائی شافعی المذہب ہیں جیسا کہ ان کی کتاب 'منسک' اس پر دلالت کرتی ہے اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے 'بستان المحدثین' میں ذکر فرمایا ہے، اور 'جامع الاصول' میں ہے :-

"النسائی کان شافعی المسلک، لہ مناسک الفہا علی مذہب الشافعی "

نیز مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ نے "شرح سفر السعادت" میں بھی اس کو بیان کیا ہے۔

لیث بن سعدؒ :- متوفی ١٧٥ھ، امام بخاریؒ کے استاد اور تبع تابعین میں سے ہیں، حنفی المذہب ہیں۔ علامہ قسطلانیؒ نے ابن خلکان سے

نقل کیا ہے۔ اور صاحب الجواہر المضیہ نے اپنی کتاب میں، اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھا ہے:-

"کان اللیث اماماً کبیراً مجمعاً علی جلالتہ وثقتہ وکرمہ وکان علی مذہب الامام ابی حنیفۃ رح قال القاضی ابن خلکان ولیس فی کتب الستۃ من اسمہ لیث ابن سعد سوای انتہی "

امام ابو یوسف رح — یعقوب بن ابراہیم انصاری، متوفی سنہ ۱۸۲ھ، شاگرد امام اعظم ابو حنیفہ رح حنفی المذہب ہیں۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ان پر مذہب ابی حنیفہ غالب تھا، ہاں بہت سے مقامات پر ان کی مخالفت بھی کی ہے یعنی جن مسائل میں ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل تھا صرف ان میں مخالفت کی ہے۔

امام محمد بن حسن الشیبانی — متوفی سنہ ۱۸۹ھ، شاگرد امام اعظم رح و امام ابو یوسف رح حنفی المذہب ہیں۔ انھوں نے فقط ان مسائل میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح کی مخالفت کی ہے جن میں ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل تھا۔ ان کے حنفی المذہب ہونے کی تصریح صاحب کشف الظنون اور ابن خلکان وغیرہ نے پورے طور پر کی ہے۔

اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کبار محدثین ہوئے ہیں ان کے حالات کی تفتیش کی جائے تو وہ بھی ان مذاہب اربعہ سے خالی نہ ملیں گے، ملاحظہ فرمائیے:-

حافظ زیلعی، علامہ عینی، محقق ابن ہمام، ملا علی قاری وغیرہم جو علاوہ فقہ کے علم حدیث میں بھی تبحر رکھتے تھے یہ سب حنفی المذہب تھے۔ ابن عبد البر جیسے محدث مالکی المذہب ہیں۔ نووی، بغوی، خطابی، ذہبی، عسقلانی،

قسطلانی، سیوطی وغیرہ جن کا فن حدیث میں ڈنکا بجتا تھا شافعی المذہب تھے، اور اسی طرح بہت سے علماء و محدثین حنبلی المذہب ہوئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم یہ دونوں حضرات حنبلی تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تقلید اور اس کا پھیلاؤ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کرام مختلف قصبات اور شہروں میں گئے اور مختلف مقامات پر متمکن اور سکونت پذیر ہوگئے۔ ارشاد نبوی صلعم کے مطابق (اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم، یعنی میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے) تمام صحابہ اپنے اپنے مقام پر مقتدیٰ اور متبوع قرار پائے۔ اسی طرح تابعین عظام اپنے اپنے علاقوں اور مقامات کے امام بنے اور لوگوں نے ان کی تقلید اور اتباع کی۔

۸۰ھ میں حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفہ میں، اور ۹۳ھ میں حضرت امام مالکؒ مدینہ میں پیدا ہوئے۔ عراقیوں نے امام ابوحنیفہ کو اپنا امام تسلیم کیا اور حجازیوں نے امام مالک کو اپنا مقتدا اور پیشوا قرار دیا۔ ۱۵۰ھ میں بمقام غزہ (فلسطین) امام شافعیؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ مرتبہ اجتہاد کو پہونچے اور بہت سے لوگ ان کے مقلد اور متبع ہوگئے۔ ۱۶۴ھ میں امام احمد بن حنبلؒ نے شہر بغداد میں ساحت عدم سے عالم وجود میں قدم رکھا، بہت بڑے محدث اور امام مجتہد ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے ان کی تقلید اختیار کی۔ اگرچہ ان ائمہ اربعہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اور بھی بڑے بڑے مجتہد تھے اور ان کے بھی لوگ مقلد اور متبع تھے مگر مشیت ایزدی

اور مرضی ربانی ہوئی کہ ان ائمہ اربعہ کے اتباع اور مقلدین روز بروز افزوں ہوتے گئے۔ جن ان کے مسائل اجتہادیہ کتابوں میں مدون ہو گئے۔ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رح کے شاگرد امام ابو یوسف رح، امام محمد رح اور امام زفر رح نے حدیث وفقہ میں بکثرت کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں جن میں امام اعظم کے مسائل فقہیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ حتیٰ کہ خود امام ہمام نے بھی کتابیں لکھیں جیسا کہ علامہ کوثری نے 'بلوغ الامانی' کے حاشیہ صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے کہ متقدمین کی مؤلفات میں امام صاحب کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

کتاب الرائی، ذکرہ ابن العوام — کتاب اختلاف الصحابہ، ذکرہ ابو عاصم العامری مسعود بن شیبہ — کتاب السیر — کتاب الاوسط — کتاب الجامع، ذکرہ العباس ابن مصعب فی تاریخ مرو — الفقہ الاکبر — الفقہ الابسط — کتاب العالم والمتعلم — کتاب الرد علی القدریہ — رسالۃ الامام الی عثمان البتی فی الارجاء — چند مکاتیب بطور وصایا جو آپ نے اپنے چند احباب کو لکھے۔ اور یہ سب کتابیں مشہور و معروف ہیں۔

(منقول از مقدمہ انوار الباری)

"درحقیقت فقہ اسلامی کی مثال ایک درخت طوبیٰ کی سی ہے کہ اس شجر طوبیٰ سے چند شاخیں نکلیں ان میں سے کوئی تو ایک ہاتھ بڑھ کر رہ گئی، کوئی دو ہاتھ اور کوئی اس سے بھی زیادہ بڑھی۔ مگر اس کی چار شاخیں اتنی بڑھیں اور پھلی پھولیں کہ سارے عالم میں پھیل گئیں۔ اور ان میں بھی ایک شاخ کا تو وہ نشوونما ہوا کہ چار دانگ عالم میں اس نے اپنا سایہ ڈالا اور بلاد متفرقہ میں اپنا رنگ جمالیا۔ یہ بڑی شاخ مذہب حنفیہ کی ہے کہ تیسری صدی ہجری

سد سکندری تک حنفی مذہب پہنچ گیا، چنانچہ ۲۲۸ھ میں جب کہ خلیفہ عباسی واثق باللہ نے کچھ آدمیوں کو سد سکندری کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو حنفی المذہب پایا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے "ریاض المرتاض" میں بحوالہ مسالک الممالک لکھا ہے کہ:-

> "محافظان سد سکندری کہ در آنجا بودند ہمہ دین اسلام داشتند و مذہب حنفی و زبان عربی و فارسی می گفتند، اما از سلطنت عباسیہ بے خبر بودند۔"

عدم تقلید کا آغاز

تیسری صدی ۲۰۲ھ میں امام ابو داؤد ظاہری پیدا ہوئے۔ یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور نہایت متبحر عالم تھے۔ انھوں نے تمام قیاسات کو خواہ خفیہ ہوں یا جلیہ سب کو ترک کر کے ظاہر نصوص پر چلنا اختیار کیا، اسی وجہ سے ان کو داؤد ظاہری کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی خاص جماعت ان کی پیرو ہوگئی جن کو ظاہریہ کہا جاتا ہے۔

چوتھی صدی ۳۸۴ھ میں علامہ ابن حزم کی ولادت ہوئی۔ علم حدیث میں تبحر حاصل کیا اور حفاظ حدیث میں شمار کیے جانے لگے۔ ابتداءً یہ شافعی المذہب تھے پھر داؤد ظاہری کا مذہب اختیار کیا اور آخر سب کو چھوڑ چھاڑ کر خود امام الائمہ بن گئے اور تقلید کو حرام بتلانے لگے۔ قیاس کے انکار اور نصوص ظاہرہ کو اختیار کرنے کے متعلق کتابیں لکھیں۔ ائمہ مجتہدین کو سب و شتم کیا اور خوب دل کھول کر برا بھلا کہا اور ان کے حق میں نہایت زبان درازیاں کیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزم کا خوب مذاق اڑایا گیا اور ان کی تالیف کردہ کتابیں

جلائی گئیں، پھاڑی گئیں اور دریا برد کی گئیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اور علامہ ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ پیدا ہوئے۔ یہ دونوں حضرات اکابر فقہاء حنابلہ میں سے ہیں۔ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بحر العلوم اور اپنے وقت کے زبردست متکلم تھے۔ کبار محدثین ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ مگر یہی حضرات ان کو "معجب الرائے" اور "سیئ العقل" ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ ذہبی وغیرہ نے ان کے متعلق بالتفصیل لکھا ہے۔ علامہ ابن بطوطہ نے تحفۃ النظار میں لکھا ہے:

"کان بدمشق من کبار الفقہاء الحنابلۃ تقی الدین ابن تیمیۃ کبیر الشام یتکلم فی الفنون الا ان فی عقلہ شیئاً"

یعنی دمشق میں اکابر فقہا حنابلہ سے تقی الدین ابن تیمیہ تھے جو شام میں نہایت معظم اور فنون میں بڑے متکلم تھے مگر ان کے عقل میں کچھ کمی تھی۔

علامہ ابن قیم کے بارے میں ان کے اوصاف جمیلہ اور کمالات بیان کرنے کے بعد علامہ ذہبی نے "المعجم" میں لکھا ہے:

"لکنہ معجب برأیہ سیئ العقل جری علی امور"

یعنی ابن قیم میں یہ تمام صفات تھیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی رائے کے مقابلہ میں کوئی رائے پسند نہیں کرتے۔ اور ان کی عقل میں بھی کچھ تزلزل تھی۔

تنبیہ: عقل میں فتور کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر انھوں نے اجتہاد کیا ہے اور محض اپنی عقل سے کام لیا ہے وہاں لغزش ہوئی ہے۔

بارھویں صدی ہجری کا زمانہ آیا تو محمد بن عبد الوہاب نجدی نمودار ہوئے۔ یہ تھے تو حنبلی المذہب، مگر اس قدر حد سے تجاوز کر گئے کہ اپنے ماسوا تمام علماء کرام

مشرب اور کا ذرہ بنانے لگے۔ بہت سے لوگ ان کے معتقد ہو گئے۔ مسعود شیخ قبیلہ
محمد بن سعود نجدی نے ان کے خیالات کو بہت زیادہ اپنایا۔ آخر جنگ و جدال
کی نوبت آئی اور کچھ ممالک ان کے قبضہ میں آگئے۔ محمد بن سعود کے بعد ان کے بیٹے
عبد العزیز اور عبد العزیز کے بعد ان کے بیٹے سعود تخت نشین، والی ریاست
اور صاحب مملکت حجاز ہوئے۔

محمد بن عبد الوہاب کی عمر سو برس کی ہوئی۔ ان تینوں والیان ریاست
نے محمد بن عبد الوہاب کے خیالات اور ان کے مسائل کی تبلیغ اور نشر و اشاعت
میں انتہائی جد و جہد اور سعی بلیغ کی اس کی وجہ سے روز بروز ان کی تعداد میں
اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ سعود بن عبد العزیز کو حرمین شریفین پر بھی کچھ دنوں کے
لیے غلبہ اور تسلط حاصل ہو گیا۔

غلبہ کے زمانہ میں انھوں نے وہاں پر خون ریزی اور فتنہ و فساد کا
بازار خوب گرم رکھا۔ اکثر مزارات اور مقامات مقدسہ کا ذرا بھی لحاظ نہیں
کیا۔ قبۂ نبوی صلعم کے ڈھانے کا بھی ارادہ کیا مگر یہ نہ ہو سکا۔ جو لوگ ان
کے ہم مشرب نہ تھے ان کو حج بیت اللہ سے بھی روک دیا۔ اس وقت محمد بن
عبد الوہاب شاہ کے مقتدائے دین بنے ہوئے تھے۔ وہ جو کچھ بھی فتویٰ دیتے
اسی کی تابعداری کی جاتی تھی۔ اس فرقہ کا لقب وہابیہ تھا — اگرچہ محمد بن
عبد الوہاب ۱۲۰۶ھ میں فوت ہو گئے مگر ان کے معتقدین برابر طوفان بے تمیزی
اٹھانے میں مشغول رہے۔

سلطان روم اس زمانہ میں روسیوں سے برسرپیکار تھے اس لیے
وہ اس فرقہ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ بالآخر جب اس فرقہ کا فتنہ حد سے تجاوز کر گیا
تب ابراہیم محمد علی پاشا والیٔ مصر نے عساکر سلطانی اپنے ہمراہ لیکر ان لوگوں

چڑھائی کی اور ۱۲۳۳ھ میں اس جماعت کو درہم برہم کر دیا۔ عبداللہ ابن سعود
ابن عبدالعزیز کو جو اس وقت امیر نجد تھے گرفتار کر کے سلطان روم کے پاس
بھیج دیا اور بقیہ تمام اشرار کا خاتمہ کر کے بلادِ عرب کو فرقہ وہابیہ کے فتنہ و شر
سے پاک کر دیا۔

قاضی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اسی نجدی فتنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی وفات کے وقت ان کی عمر ۳۳ برس کی تھی اور فرقہ وہابیہ کے قلع قمع کے سترہ سال بعد ۱۲۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ چونکہ سعود بن عبدالعزیز امیر نجد فرقہ وہابیہ کے سرگروہ اور سردار تھے ان کے ساتھ قاضی شوکانی کے گہرے تعلقات تھے۔ ان کے ساتھ خط و کتابت اور نامہ و پیام کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا جیسا کہ خود قاضی شوکانی نے اپنی کتاب "بدر طالع" میں اس کا انکشاف کیا ہے۔ اور مزید براں علامہ ابن حزم، حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے متشددین کی تصنیفات پر بھی قاضی شوکانی کی گہری نظر تھی۔ اس لیے ان کے تشددات بھی حد سے بڑھ گئے تھے۔ نیز ان میں فرقہ ظاہریہ کی بو بھی سرایت کر گئی تھی جیسا کہ ان کی تالیف کردہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

ہندوستان میں جب سے اسلام نے قدم رکھا مسلمانوں کی بھاری اکثریت برابر حنفی المذہب اور امام اعظم ابوحنیفہ کی مقلد رہی۔ جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا اور ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی اور حکومتِ انگلشیہ کی طرف سے مذہبی معاملات سے کوئی تعرض نہ رہا تب تیرھویں صدی ہجری میں جا بجا کچھ ایسے لوگوں نے نشو و نما پایا جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو محض بے اصل سمجھنے لگے۔ انھوں نے ابن حزم و ابن قیم اور قاضی شوکانی کے خیالات اور ان کے تشدد سے واقفیت حاصل کی اور ان ظواہر سے بھی متاثر ہوئے۔ بات بات میں الجھنے

اختلاف کرنے لگے اور مقلدین کو بدعتی، مشرک بلکہ کافر تک کہنے لگے۔

غیر مقلدین کو وہابی کیوں کہا جاتا ہے؟

اگرچہ محمد بن عبدالوہاب حنبلی المذہب تھے اور یہ غیر مقلدوں کا فرقہ کسی امام کا مقلد نہیں ہے۔ مگر چونکہ نجدیوں کے فتنہ و فساد کے اختتام کا زمانہ اور غیر مقلدین کے ظہور کا وقت قریب قریب ایک ہے اور نشر روایات میں دونوں تھے ہم قدم ہیں اس لیے ان کو وہابی کا لقب دیا گیا۔ اور خود یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے۔ اس پر بعض مزاح پسند افراد نے یہ شگوفہ چھوڑا کہ چونکہ یہ لوگ محمد بن عبدالوہاب کے پیرو ہیں اور اس کی تابعداری کرتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنا لقب محمدی رکھا ہے۔ اس کے بعد یہ حضرات اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحد کہنے لگے اور مقلدین نے ان کو غیر مقلد کہنا شروع کیا۔

تقلید پر کیے جانے والے اعتراضات کی حقیقت

اب ہم چاہتے ہیں کہ مختصراً ان اعتراضات کو زیر بحث لائیں جو عام طور سے تقلید پر وارد کیے جاتے ہیں۔ منکرین تقلید کے گھڑے ہوئے شبہات کا جواب ملاحظہ فرمانے سے پہلے ایک اصولی بات ذہن نشین کر لیجیے۔

تقلید کی دو قسمیں ہیں، تقلید مشروع و تقلید غیر مشروع۔ تقلید مشروع ایسے مسائل اجتہادیہ میں ہوتی ہے جن میں شرعاً اجتہاد کو دخل ہے اور جنہیں ایسے ائمہ دین نے قرآن و حدیث سے استنباط کیا ہو جو پوری طرح علمی و فقہی حیثیت سے اجتہاد کے اہل ہوں اور جن کا ورع و تقویٰ اور صدق و اخلاص بھی شک و شبہ سے بالاتر ہو۔ اور ان کی یہ صلاحیت اجتہاد فی الدین اور

استنباط مسائل شرعیہ کی اہلیت امت کے سوادِ اعظم کے نزدیک مسلم ہوں، ہر تقلید کرنے والے اس طرح کے مسائل میں ائمہ کرام پر غایت اعتماد کی بنا پر ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اور درحقیقت یہی وہ تقلید ہے جو مستحسن بلکہ واجب ہے، جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے، اکابر امت کے عمل سے اور فقہاء و محدثین کے اقوال سے ثابت ہے اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے جیسا کہ پچھلے اوراق میں اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

تقلید غیر مشروع اس کا نام ہے کہ ایسے مسائل میں کسی کا اتباع کیا جائے جو منصوص ہیں، اور جن میں شرعاً اجتہاد کا دخل نہیں، یا ان کا استنباط کرنے والا اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا، مثلاً وہ دیندار یا سربرآوردہ مسلمان ہو لیکن یا علم و تفقہ کے اس مرتبہ پر فائز نہیں جو اجتہاد کے لیے ضروری ہے اس لیے اس طرح کی تقلید قبیح بلکہ حرام ہے۔

اس تفصیل پر غور کرنے کے بعد غیر مقلدوں کے تقلید کے مسئلہ پر ہر قسم کے شبہات اور اعتراضات کا اجمالی جواب نکل آتا ہے، بلکہ علماء اہل حدیث کے تمام اعتراضات اور شبہات محض ایک مغالطہ اور دھوکہ پر مبنی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ مقلدین کے مقابلہ میں یہ لوگ دعویٰ تو کرتے ہیں تقلید مشروع کے نامشروع ہونے کا اور دعوے کے ثبوت میں دلائل وہ پیش کرتے ہیں جو تقلید غیر مشروع کے رد میں پیش کیے جانے چاہئیں، محض تعداد اور شمار بڑھانے کے لیے اہل حدیث کے رسائل میں، دلائل تو بہت ذکر کیے جاتے ہیں مگر ان کی حقیقت اور وزن کا اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بہت ہی کم اور اقل قلیل ہیں۔ اس لیے ذیل میں ان کے چیدہ چیدہ دلائل کو بعنوان شبہات ذکر کر کے جوابات لکھے جا رہے ہیں۔

پہلا شبہ کہا جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی آیت ذیل میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے :-

وإذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اباءنا اولو كان اباؤهم لا يعقلون شيئا ولا يهتدون ـ
(سورہ بقرہ ، پ ۲)

جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو ان احکام کی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں ، ہم تو اس طریق کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ (حق تعالیٰ بطور رد فرماتا ہے) کیا ہر حالت میں اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے رہیں گے گو ان کے باپ دادا دین کو نہ سمجھتے ہوں اور دین کی راہ پاتے ہوں ـ

جواب : یہ شبہ سراسر مغالطہ ہے ، کیونکہ جن لوگوں کی تقلید کی جاتی ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں ، ایک کفار اور دوسرے ائمہ مجتہدین ۔ کفار کی تقلید حرام ہے ۔ اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رد فرمایا ہے ۔ اب رہی بزرگانِ دین اور ائمہ مجتہدین کی تقلید جو عام طور پر مسلمانوں میں رواج پذیر ہے اس سے کسی بھی آیت یا حدیث میں منع نہیں کیا گیا ہے ۔ غور فرمایئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی تقلید کی مذمت کے دو سبب بیان فرمائے ہیں ، ایک یہ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کو برملا رد کرتے ہیں ، اور انہیں تسلیم نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم اس کے بجائے اپنے باپ دادا کی بات مانیں گے ۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہ بزرگ عقل و ہدایت سے بالکل کورے تھے ۔ اور ہم جس تقلید میں گفتگو کر رہے ہیں اس میں یہ دونوں سبب نہیں پائے جاتے جس کی وجہ سے اس آیت میں

آباؤ اجداد کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔

پہلا سبب تو اس طرح نہیں پایا جاتا کہ کوئی بھی تقلید کرنے والا نعوذ باللہ اللہ و رسول کے احکام کو رد کر کے کسی بزرگ کی بات کو ہرگز نہیں مانتا بلکہ وہ اپنے بزرگ کو شارح قرآن و سنت سمجھتا ہے۔ دوسرا سبب بھی ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے، کیونکہ اس سے کوئی بھی اہل حق انکار نہیں کر سکتا کہ علماء دین جن ائمۂ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں ان سے کسی کو کتنا ہی اختلاف رائے کیوں نہ ہو مگر تمام عالمین کے نزدیک بھی وہ حضرات ہر اعتبار سے جلیل القدر اور عظیم الشان شخصیتیں ہیں، لہٰذا اس تقلید کو کافروں کی تقلید پر منطبق کرنا سراسر ظلم اور نہایت ہٹ دھرمی ہے۔

دوسرا شبہ کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت میں تقلید کو شرک کہا گیا ہے:-

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (سورہ توبہ، پ ۱۰)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنا پروردگار بنا لیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی پیشوا کے اوامر و نواہی کی اتباع کرنا شرک ہے لہٰذا ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک ہوئی اور تقلید کرنے والے مشرک ہوئے

جواب: یہود و نصاریٰ کے رہبان و احبار محض اپنی رائے سے احکام الٰہی کے خلاف لوگوں کو امر و نہی کیا کرتے تھے اور لوگ ان کو مطاع مطلق جان کر ان کی پیروی کرتے تھے اس لیے ایسی تقلید کو شرک کہا گیا ہے۔ بخلاف اس کے اجتہادی مسائل درحقیقت قرآن و حدیث کی مراد و مقاصد کے لیے مظہر ہوتے ہیں اور ان کا اجتہاد قرآن و حدیث سے مستنبط ہوا کرتا ہے۔

ائمہ مجتہدین کا امر وحی از خود نہیں ہوتا اور نہ ان کو مطاع مطلق سمجھ کر ان کی پیروی کی جاتی ہے اس لیے اس تقلید کو کافروں کی تقلید سے کوئی نسبت نہیں اور ائمہ دین کی تقلید کی مخالفت اس آیت کریمہ سے ہرگز نہیں نکلتی۔

تیسرا شبہ

عن مالك بن انس مرسلا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله ۔

حضرت امام مالکؒ موطا میں مرسلا روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان پر عمل کرو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت۔

(مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

اس حدیث میں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلعم کو قابل عمل اور گمراہی سے بچنے کا ذریعہ قرار دیا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں کے سوا امام کے مسائل اجتہادیہ میں اس کی تقلید کرنا جائز نہیں بلکہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

جواب: ائمہ مجتہدین مسائل اجتہادیہ کا استنباط اور استخراج قرآن و حدیث ہی سے کرتے ہیں لہٰذا ان مسائل کو قبول کرنا عین قرآن و حدیث کی تابعداری ہے کیونکہ قرآن و حدیث سے مراد عام ہے خواہ اس کے مسائل ظاہرہ ہوں یا اجتہادیہ۔

چوتھا شبہ

عن جابر ان عمر بن الخطابؓ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک روز توراۃ کا

مسائل اختلافیہ کو آپ سے دریافت کر لیا جائے۔ اب دیگر کتب احادیث سوا صحاح ستہ میں نسخ و موضوعیت اور ضعف وغیرہ کا احتمال موجود ہے۔ اس لیے ان کے ذریعہ اقوال ائمہ کو رد الی اللہ والرسول کر کے باطل نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کسی شخص کو درجہ اجتہاد حاصل ہو جائے تو اس کو حدیث کے مقابلہ میں اقوال ائمہ پر عمل کرنا ہرگز درست نہیں۔ لیکن عوام الناس یا عالم غیر مجتہد کے لیے ائمہ اربعہ کی تقلید کے بغیر چارہ نہیں۔

فائدہ ۱: جو لوگ حنفی المذہب ہیں ان کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں اور وہ امام کے قول کے مقابلہ میں عمل بالحدیث ناجائز سمجھتے ہیں نہایت غلط اور سراسر بہتان ہے۔ کیونکہ دارومدار تو عمل بالحدیث ہی پر ہے اور عام حنفیہ تو اپنی کم مائیگی اور کوتاہ علمی کی وجہ سے ائمہ مجتہدین کی شرح حدیث پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے کیلئے اس کے ناسخ منسوخ، عام و خاص کا جاننا ضروری ہے جن کو وہ عامی ہونے کی وجہ سے نہیں جانتے۔ اس لیے کسی جاننے والے کا اتباع کرتے ہیں اور اسی اتباع کو وہ تقلید کہتے ہیں۔

اب وہ لوگ بھی غیر مقلدین جو اپنے آپ کو محمدی کہلاتے ہیں وہ بھی تو ناسخ منسوخ اور عام و خاص جانتے نہیں کسی نہ کسی کا اتباع ہی کرتے ہیں خواہ وہ اصحاب کتب صحاح ہوں۔ یا ائمہ اربعہ یا ابن قیم و ابن تیمیہ اور شوکانی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

چنانچہ حدیث زیارت نبی صلعم کو ابن تیمیہ نے موضوع کہا ہے۔ اور سفر زیارت صلعم کو سفر معصیت قرار دیا ہے۔ اور سفر زیارت میں نماز قصر کرنے کو منع کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں اس کو لکھا اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ۔ اور محققین نے

ہیں، قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے ہیں اور حضور صلعم کی تابعداری ہی کی غرض سے مسائل اجتہادیہ کا استنباط اور اخراج کرتے ہیں۔

پانچواں شبہہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں تقلید کا وجود نہ تھا لہذا یہ تقلید بدعت ہوئی۔ نیز صحابہ کرام رض افضل امت ہیں اور ائمہ اربعہ ان سے مفضول ہیں اگر تقلید جائز ہوتی تو بجائے ائمہ اربعہ کے صحابہ کرام کی تقلید رائج ہوتی۔

جواب:۔ زمانہ صحابہ و تابعین اور خیر القرون کے زمانہ میں تقلید کا پایا جانا اور اس کا رواج اوراق سابقہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ عہد صحابہ و تابعین میں تقلید نہ تھی سراسر غلط اور فریب ہے۔ اب رہا ہمارا یہ دعویٰ کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید جائز ہے، سو اس کے متعلق ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح کی عبارت پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

و ان اعتقاد افضلیۃ الامام علی سائر الائمۃ مطلقا غیر لازم فی صحۃ التقلید اجماعا لان الصحابۃ والتابعین کانوا یعتقدون ان خیر ھذہ الامۃ ابوبکر ثم عمر و کانوا یقلدون فی کثیر من المسائل بخلاف قولھما ولم ینکر علی ذلک

پہلی بات اس طرح رد کی گئی ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں بالاجماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے کہ (میرا) امام باقی تمام ائمہ پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے اس لیے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل حضرت ابوبکر ہیں اور پھر حضرت عمر رض حالانکہ بہت سے مسائل اختلافیہ میں ان

احد منکان اجماعا على ما قلناه۔
(عقد الجيد ص...)

دونوں حضرات کے مخالف دوسرے حضرات کی تقلید کیا کرتے تھے اور کسی نے ان پر انکار نہیں کیا لہذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تقلید اس لیے ہرگز ترک نہیں کی گئی ہے کہ وہ افضل امت نہ تھے حاشا وکلا۔ بلکہ ان کی تقلید اس لیے ترک کی گئی ہے کہ ان کے جملہ مسائل صحیح طور پر مدون نہیں تھے اور ہم تک پہنچے نہیں۔ بخلاف ائمہ اربعہ کے، ان کے تمام مسائل مدون ہیں اور بآسانی میسر آسکتے ہیں اور ان پر عمل کرنا بہت سہل اور آسان ہے۔

چھٹا شبہہ ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے۔ پھر ان کی تقلید کس طرح جائز ہوگی۔ اور اسی طرح دوسرے فقہاء لوگوں کو اس سے روکتے تھے۔ اس شبہہ کے دو جواب دیے جاسکتے ہیں:

جواب اول:۔ یہ کہنا کہ ائمہ مجتہدین خود اپنی تقلید سے منع کیا کرتے تھے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ ائمہ کرام لوگوں کو جو فتویٰ دیا کرتے تھے ان کے فتاوے اکثر و بیشتر دلائل اور طرق استدلال سے خالی ہوا کرتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عملی طور پر تقلید کو جائز رکھتے تھے۔ اسی طرح فقہاء کرام سے بھی عملی طور پر تقلید ثابت ہے۔

جواب ثانی:۔ ائمہ مجتہدین نے جہاں پر تقلید سے منع کیا ہے وہ ان لوگوں کو منع کیا ہے جو خود درجۂ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں:۔

"وهو محمول على من له قدرة على استنباط الاحكام

من الكتاب والسنة والاقتدا صرح العلماء بان
التقليد واجب على العامى لئلا يضل فى دينه "
(ميزان الكبرىٰ مطبوعہ مصر ص ۲ ج ۱)

یعنی تقلید کی مخالفت اس شخص کے لیے ہے جو پورے طور پر مجتہد ہو ورنہ علماء کرام تصریح کرتے ہیں کہ غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے تاکہ وہ اپنے دین میں گمراہ نہ ہو۔ اور فقہاء کرام نے بھی تقلید مذموم اور غیر مشروع سے منع کیا ہے نہ کہ تقلید محمود ومشروع سے ۔ صاحب الیواقیت والجواہر فرماتے ہیں :۔

" وهو محمول على من اعطى قوة الاجتهاد واما
الضعيف فيجب عليه التقليد لاحد من الائمة
والا هلك وضل " (الیواقیت ص ۹۶ ج ۲)

یعنی تقلید کی ممانعت مجتہد کے لیے ہے ورنہ غیر مجتہد پر ایک امام کی تقلید واجب ہے ورنہ وہ برباد وگمراہ ہو جائے گا ۔

ساتواں شبہہ

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں متعدد مقامات پر تقلید کی مذمت فرمائی ہے ۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

مر مرا تقلید شاں برباد داد
کہ دو صد لعنت براں تقلید باد

اسی طرح سعدی بوستاں کے باب ششم میں لکھتے ہیں :۔

عبادت بتقلید گمراہی است
خنک رہروے را کہ آگاہی است

جواب :۔ یہ بات تو پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے کہ تقلید کی دو قسمیں

ہیں، ایک مشروع اور دوسری غیر مشروع۔ مولانا روم نے جس تقلید کی مذمت کی ہے وہ تقلید غیر مشروع ہے جیسا کہ تقلید کو شان سے مقید کرنے سے ظاہر ہے۔

اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ اس شعر سے پہلے مولانا روم نے ایک صوفی کا قصہ بیان فرمایا ہے جو کہ نا اہلوں کی تقلید میں "خر برفت و خر برفت" کہتا رہتا تھا اور پھر کچھ جانتا نہ تھا، تو اس کے متعلق مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایسی تقلید یعنی نا اہلوں کی جو غافل عن الحق ہیں گمراہی ہے۔ اسی طرح جو لوگ گمراہ ہیں ان کی تقلید کی بھی اس کے بعد مذمت فرماتے ہیں:-

خاصہ تقلید چنیں بے حاصلان
کآبرو را ریختند از بہر نان

وہی تقلید مشروع جو اہل اللہ اور مقبول بندوں کی ہوا کرتی ہے، اس کی جا بجا مدح اور تعریف بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ بھی بوستاں کے باب ہشتم میں تقلید غیر مشروع کی مذمت فرماتے ہیں نہ کہ مشروع کی۔ تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ شیخ سعدیؒ نے اپنے سفر ہندوستان کی حالت اور مکار برہمن کا قصہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ پہلا شعر یہ ہے:-

بتے دیدم از عاج در سومنات
مرصع چو در جاہلیت منات

پھر اس واقعہ کے ضمن میں اس تقلید غیر مشروع کی مذمت کرتے ہیں جو بت پرستوں نے برہمن کی اختیار کر رکھی تھی۔ بھلا اس کو اہل اللہ اور ائمہ دین کی تقلید سے کیا تعلق ہے جو کہ مشروع دینی اور محمود ہے۔

آٹھواں شبہ بعض حضرات تقلید کی ضرورت کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث سہل اور آسان ہے اس لیے ان سے احکام کے سمجھنے میں کسی کے واسطے کی مطلق ضرورت نہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے :-

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" (سورہ قمر)	اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟

جواب :- اس آیت کے الفاظ پر غور فرمایئے تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ قرآن حکیم کی وہ آیات آسان ہیں جو وعظ و تذکیر اور نصیحت و عبرت کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "للذکر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی قرآن نصیحت کے لیے آسان کیا گیا ہے۔ رہیں وہ آیات جو احکام پر مشتمل ہیں سو ان کا دقیق ہونا بالکل ظاہر و باہر ہے۔ چنانچہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

انزل القرآن علی سبعة احرف، لکل آیة منھا ظھر و بطن، و لکل حد مطلع ؕ (مشکوٰۃ شریف) بحوالہ شرح السنۃ ملکہ	قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور ہر حد کے لیے اطلاع کا طریقہ جدا گانہ ہے (یعنی ظاہر کے لیے عربی زبان اور باطن کے لیے قوت فہم)

نواں شبہ غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ مقلدین جہاں کہیں اپنے امام کے قول کو حدیث نبوی صلعم کے خلاف

بھی پاتے ہیں وہاں بھی وہ حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو نہیں چھوڑتے حالانکہ خود ان کے امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، "اترکوا قولی بخبر الرسول" یعنی جہاں کہیں میرے قول کو خبر رسول کے خلاف پاؤ اس کو چھوڑ دو۔

جواب: ایسی حالت میں امام کا قول ہو یا ہو وہ فرمائیں یا بات فرمائیں حکم نبوی کے خلاف کرنا ایک مسلمان سے قطعاً بعید ہے۔ جو شخص رسول کو برحق جانتا ہو کیا وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اور اس قسم کی جرأت اس سے ممکن ہے کہ زید و عمر کے ایسے قول پر جس کو فرمان نبوی کے خلاف جانتا ہو عمل کرے اور اس کے مقابلہ میں قول معصوم کو چھوڑ دے۔ مسلمانوں پر تو بفحوائے کلام ربانی "ما آتاکم الرسول فخذوہ" یہی لازم اور ضروری ہے کہ آپ ہی کا حکم مانیں اور اسی پر عامل ہوں اور آپ کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کی بھی بات نہ مانیں۔ رہی یہ بات کہ مقلدین ایسا اور ویسا کرتے ہیں، سو یہ غیر مقلدین کی ابلہ فریبی اور بہتان عظیم ہے۔ کیونکہ مقلد اگر عامی اور ان پڑھ ہے تو اس بیچارے کو تو اسی میں تردد ہوتا ہے کہ یہ حدیث جو مخالف نے پیش کی ہے کس درجہ کی ہے۔ موضوع ہے یا غیر موضوع ضعیف ہے یا صحیح وقس علی ہذا۔ اور اگر عالم ہے مگر اس کو متقدمین کی طرح علوم دینیہ میں تبحر نہیں، صرف پانچ چھ کتابیں حدیث و فقہ کی پڑھ لی ہیں تو ایسا شخص جب امام صاحب کا کوئی مسئلہ ظاہر حدیث کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کو یقین نہیں ہوتا کہ فی الواقع اس کی مؤید کوئی حدیث نہیں ہے۔ کیونکہ مروجہ کتابوں میں حدیث کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری کتب حدیث میں اس مسئلہ کی مؤید کوئی حدیث نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ثابت ہے جس پر عقل و نقل دونوں شاہد ہیں کہ کتب متداولہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اور آپ کے جملہ اقوال و افعال و تقریرات

مندرج نہیں ہیں۔ خیال فرمائیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جن کا کام ہر وقت تعلیم وارشاد تھا، شب و روز میں کتنے کام کرتے ہوں گے۔ کتنی باتیں فرماتے ہوں گے اور صحابہ کرام کے کتنے افعال نظر سے گذرتے ہوں گے اور ان کو پسند فرماتے ہوئے سکوت فرماتے ہوں گے۔ اور یہ سب امور اقسام حدیث میں سے ہیں۔ پس اگر صحاح مروجہ میں کل حدیثیں درج ہوتیں تو ظاہر ہے کہ ایک بار دشتر ہو جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ پہلے لوگوں کو لاکھوں حدیثیں یاد تھیں۔ اسحاق بن راہویہ کو ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے "اتحاف النبلاء" میں لکھا ہے کہ: "خود اسحاق گفت کہ ہفتاد وصد ہزار حدیث یاد دارم" مگر موجودہ صحاح مروجہ میں کوئی ایک بھی ایسی کتاب نہیں جس میں دس ہزار احادیث بھی ہوں۔ جب مروجہ کتب حدیث کا حال یہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہ رح کہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے بوجہ قرب زمانہ نبوی صلعم اپنے مسئلہ فقہیہ کی تائید میں کوئی حدیث رکھتے ہوں جو صحاح مروجہ میں نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث جس کو فریق ثانی نے پیش کیا ہے وہ امام صاحب کے نزدیک قابل احتجاج نہ ہو اس لیے اس کو قبول نہ کیا ہو۔ اور یہ قبول نہ کرنا کسی طرح بھی مذموم اور قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دیکھیے صحابہ کرام نے بھی بعض اوقات صحیح حدیث کو رد کر دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ کتب احادیث میں وارد ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں ناپاک ہو گیا ہوں اور غسل کے لیے پانی نہیں ملتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا، تب حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ناپاک ہو گیا تھا، پانی نہ ملا تو میں نے

زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنا تو آپ نے تیمم کی تعلیم فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تم کو کافی تھا ناحق تم مٹی میں لوٹے۔ حضرت عمرؓ کو وہ واقعہ یاد نہیں رہا اس لیے حدیث قبول کرنے میں انھیں تردد ہوا، بلکہ اس حدیث کو بیان کرنے سے بھی حضرت عمارؓ کو روک دیا۔

غور فرمائیے تیمم کے بارے میں یہ حدیث بالکل صحیح ہے حتیٰ کہ طبقۂ ثانیہ میں بے شمار طریقوں سے اس کو روایت کیا گیا ہے اور لوگ جنابت سے تیمم کے قائل ہو گئے۔ مگر حضرت عمرؓ نے حضرت عمار کے بیان کو نہ مانا اور اپنی رائے پر قائم رہے۔

اسی طرح فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا کہ میں مطلقۂ ثلثہ ہو گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نفقہ و سکنیٰ کچھ مقرر نہیں فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو نہیں مانا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کے کہنے سے (خدا جانے سچ کہتی ہے یا جھوٹ بولتی ہے) کتاب اللہ کو نہ چھوڑوں گا۔

غور فرمائیے کہ حضرت عمرؓ نے ان احادیث کو کیوں نہیں مانا۔ کیا ان کے دل نے قبول کر لیا تھا کہ بلا شبہ یہ فرمانِ نبی ہے اور اس کا مطلب جو یہ لوگ سمجھے ہیں وہی درحقیقت رسول اکرمؐ کی مراد تھی، پھر بھی وہ اپنی رائے پر قائم رہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسی بات تو وہی شخص اپنی زبان سے نکالے گا جو صحابہ کا اور حضرت عمرؓ کا دشمن ہوگا۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ یا تو حضرت عمرؓ کو صدقِ حدیث ہی میں تامل ہوا یا وہ یہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کچھ اور ہوگی اور یہ لوگ کچھ اور سمجھ گئے ہیں۔

پس اسی طرح مقلدین کو قولِ نبوی تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہوتا بلکہ تسلیم نہ کرنے کی وجہ بھی تو یہ ہوتی ہے کہ ان کو قولِ نبی ہونے میں تردد اور شک ہوتا ہے

یا یہ سمجھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے امام نے اس حدیث کو کمزوری کی وجہ سے قابلِ احتجاج نہ جانا ہو۔ مقلدین یہ سمجھ کر کہ ائمہ مجتہدین اعرف بالسنۃ تھے ان کے بیان کردہ مسائل کتاب وسنت سے مستنبط ہیں، اپنے اپنے امام کے قول پر عمل کیا کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں ترکِ حدیث کا الزام ان پر ہرگز عائد نہیں ہوتا۔ اگر بہر حال ہی ایسا "ترکِ حدیث" باعثِ الزام ہے تو پھر سب سے پہلے صحابہ کرام کی مقدس جماعت پر اعتراض عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ حضرات بھی حدیث کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے اور اپنی رائے پر قائم رہتے تھے جیسا کہ اوپر بیان کردہ حضرت عمرؓ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔ ہاں ترکِ حدیث کا الزام مقلد پر اس وقت عائد ہوتا ہے جبکہ مقلد کو اچھی طرح معلوم ہو کہ یہ قولِ نبوی ہے اور اس میں کوئی امر قادح بھی نہیں ہے اور ہمارے امام کا قول صراحتاً اس کے خلاف ہے پھر بھی وہ حدیث کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کو ترجیح دے اور اسی پر عمل کرے۔

لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی درجۂ اجتہاد کو پہنچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں امام ابوحنیفہؒ کے قول "اترکوا قولی" کے متعلق تحریر فرمایا ہے: وھو محمول علی من اعطی قوۃ الاجتہاد۔ یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن پاک میں جو "فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول" وارد ہوا ہے اور اس آیت کریمہ میں اللہ اور رسول کی طرف اختلاف کے وقت رجوع کرنے کا حکم ہے، تو یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس میں اس کی صلاحیت بھی ہو، ہر شخص کا یہ کام نہیں۔

آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسِ نفیس اس دنیا میں موجود نہیں کہ

اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول اللہ ھٰذہ نسخۃ من التوراۃ فسکت (الی ان قال) فقال رسول اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ۔"

(مشکوٰۃ شریف)

ص۳۲

ایک نسخہ لے کر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے رسول خدا یہ تورات کا نسخہ ہے۔ آپ خاموش رہے۔ انھوں نے پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے چہرۂ مبارک سے ناراضگی کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے (اس حدیث کے آخر میں ہے) کہ حضور پُرنور نے فرمایا: قسم اس ذات کی کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے۔ اگر تمہارے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھے راستے سے بہک جاؤ گے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی تقلید اور تابعداری جائز نہیں تو کسی امام یا مجتہد کی کس طرح جائز اور درست ہو سکتی ہے۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت مستقلہ کے پیغمبر ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت شریعت موسویہ کے لیے ناسخ ہے۔ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی جاتی تو مسائل منسوخہ میں بھی اتباع کرنا ہوتی جو شریعت محمدیہ کے انکار کو مستلزم ہے اور صریح کفر ہے، اسی لیے "وترکتمونی" ارشاد فرمایا گیا۔ اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں عین اتباع رسول صلعم ہے اس لیے کہ یہ حضرات حضور پُرنور صلعم کے امتی ہیں آپ کے فرمانبردار

اس کو بھی اسی طرح رد کیا ہے اور حدیث زیارت کو حسن یا صحیح کہا ہے تو اب جو لوگ اپنے آپ کو محمدی قرار دیتے ہیں اور زیارت سے منع کرتے ہیں وہ متبع حافظ ابن تیمیہ ہوئے جن کا عقیدہ اللہ جل شانہ کے بارے میں یہ ہے:

انہ بقدر العرش لا اصغر ولا اکبر	اللہ تعالیٰ بقدر عرش کے ہے، نہ اس سے چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔

تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا

ان کے اس عقیدہ کو بھی علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اب ہم ان غیر مقلدین سے دریافت کرتے ہیں کہ بغیر کسی ماہر فن کی اتباع اور تقلید کے تم نے کہاں سے جانا کہ یہ حدیث صحیح ہے، یہ ضعیف، یہ موضوع اور یہ ناسخ اور منسوخ ہے۔ ان چیزوں کے جاننے والے محدثین ہیں یا ائمہ مجتہدین، پھر یہ تو ان کی تابعداری اور تقلید ہوئی، پھر آپ محمدی کہاں سے ہو گئے۔

تنبیہ: تقلید کی مخالفت کرنے والے غیر مقلدین اپنی کتابوں میں تقلید ممنوع کو تو خوب بیان کرتے ہیں اور اس کے دلائل قرآن وحدیث سے لاتے ہیں مگر تقلید مشروع کو ہاتھ نہیں لگاتے حالانکہ قرآن وحدیث اور علماء حق کی تصنیف کردہ کتابوں میں تقلید مشروع کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔

خوب یاد رہے کہ جن آیات میں تقلید کی ممانعت ہے اور جن حضرات نے تقلید کو ناجائز کہا ہے وہ ممانعت سب کے حق میں عام نہیں ہے، بلکہ عامی کو عامی کی تقلید اسی طرح مجتہد کو کسی دوسرے مجتہد کی تقلید ممنوع اور

ناجائز ہے نہ کہ مطلقاً۔ کیونکہ مجتہد کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہوگا اور عامی کو عالم اور صاحب اجتہاد کی تقلید اور پیروی کرنی ہوگی اور یہی حکم عالم غیر مجتہد کا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کتب فقہ معتبرہ پر عمل کرتے ہیں تو در حقیقت وہ عمل قرآن و حدیث کے موافق ہوگا کیونکہ وہ مسائل قرآن و حدیث ہی سے نکالے گئے ہیں ایسے لوگوں کو مشرک کہنا بے جا جسارت بلکہ جہالت ہے۔

بعض لوگ فقہ سے نفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فقہ لوگوں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور ائمہ مجتہدین کو برا کہتے ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور فقہاء کرام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ یہ بات ان کی غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ ائمہ مجتہدین تو تمسک قرآن و حدیث ہی سے کرتے ہیں اور انہی سے مسائل جزئیہ کا استنباط کرتے ہیں۔ چنانچہ "اشباہ والنظائر" میں ہے کہ فقہ حدیث کا ثمرہ ہے۔ یعنی متخرج من الحدیث ہے۔ اور فقیہ کا ثواب کسی طرح محدث سے کم نہیں۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے مقدمہ شرح بخاری میں نقل کیا ہے:

"ولیس ثواب الفقیه دون ثواب المحدث فی
الآخرة والعزة باقل عز المحدث"

دسواں شبہ

ائمہ اربعہ کی تقلید پر اہل حدیث کا ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ آراء اور اختلافی مسائل میں اہل خرد کے نزدیک ایک جانب ہی حق منصور ہو سکتا ہے۔ اگر دونوں جانب حق تسلیم کیا جائے تو اجتماع متناقضین ماننا پڑے گا جو عقلاً محال ہے۔ تو یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ چاروں مذاہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی برحق ہیں جبکہ بہت سے مسائل میں ان ائمہ کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ ایک امام

کہتا ہے کہ نماز میں امام کے پیچھے مقتدیوں پر قرأۃ فاتحہ واجب یا مستحب ہے تو دوسرا
کہتا ہے کہ حرام و مکروہ ہے ۔ کسی امام کے نزدیک چند مواقع متعینہ میں رفع یدین
مسنون ہے تو دوسرے کے نزدیک رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت سنت
ہے ۔ کوئی آمین بالجہر کو سنت دائمہ بتلاتا ہے تو دوسرا اخفا کو سنت قائمہ کہتا
ہے ۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل میں مختلف اختلاف پایا جاتا ہے ۔ اب
اگر چاروں مذہبوں کو برحق مانا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ قرأۃ
مقتدی پر واجب بھی ہے اور حرام بھی ۔ رفع یدین مواقع معلومہ میں سنت بھی
ہے اور غیر سنت بھی ۔ اور آمین بالجہر مسنون بھی ہے اور غیر مسنون بھی ۔
یہ تو وہی اجتماع متناقضین اور اضداد کا جمع ہونا ہے جو تمام عقلاء کے نزدیک
ممتنع اور محال ہے ۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک کو حق کہا جائے اور باقی
دوسروں کو ناحق تو ترجیح بلا مرجح ہوگی اور یہ مشکل ہوگی کہ کس کو حق کہیں اور
کس کو ناحق ۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی کی تقلید اور پیروی
ترک کی جائے بلکہ صرف قرآن اور حدیث کی پیروی کی جائے ۔

یہ ہے شبہ کی وہ تقریر جس سے عوام کو ائمہ ہدیٰ کی پیروی اور ان
کی تقلید سے روکا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کی آڑ میں اپنا معتقد اور
پیرو بنایا جاتا ہے ۔

اس شبہ کے دو جواب ہیں ۔ ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی ۔

جواب اجمالی ۔ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک امام نے بے شمار جزئی
مسائل کو آیات محتمل المعانی سے اس طرح ثابت کیا ہے کہ معانی محتملہ سے
ایک معنی کو بقرائن و شواہد راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دے کر راجح معنی
پر بنائے مسئلہ قائم کی اور مرجوح معنی کی طرف التفات نہیں کیا ۔ اسی طرح

حدیث مثلاً فقہ سے مسائل جزئیہ کو اس طرح سے اخذ کیا ہے کہ اپنی تحقیق و تفتیش کے مطابق حسب قواعد و ضوابط ترجیح دے کر ایک حدیث کو معمول بہ قرار دیا اور دوسری حدیث کو متروک اور غیر معمول بہ سمجھا۔ اس طرح سے ہر امام کے نزدیک جو جو مسائل ثابت ہوتے گئے وہ کتابوں میں مدون ہوتے گئے۔ آخر کار ان مجموعۂ مسائل کا نام مذہب و مسلک مشہور ہو گیا۔

اب چونکہ انسان فطرتاً فراست و فقاہت میں مختلف المراتب ہیں جیسا کہ آیت قرآنی "فوق کل ذی علم علیم" اس پر شاہد ہے۔ اور وجوہ اسباب ترجیح محدثین اور مجتہدین میں مختلف فیہ ہیں۔ کسی کے نزدیک مدار ترجیح سند کی قوت و ضعف ہے اور کوئی تقدم و تاخر زمانہ کو مدار ترجیح قرار دیتا ہے اور کوئی صحابہ کے فضائل و تواریث کو اور کوئی رُواۃ کے اوصاف کو ترجیح کا مدار سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین روایات کی جرح و تعدیل میں بہت زیادہ مختلف الخیال ہیں۔ اب چونکہ اسباب ترجیح کئی ہیں اور ارباب علم و اجتہاد بھی فطرتاً مختلف الاستعداد ہیں تو ضروری نہیں ہے کہ جو جانب ایک امام کے نزدیک راجح ہو وہ دوسرے کے نزدیک بھی راجح ہو — ہو سکتا ہے کہ معاملہ برعکس ہو۔ اور یہ بھی اسی طرح جیسا کہ بہت سے مسائل جزئیہ میں ائمہ کے باہمی اختلافات سے ظاہر ہے۔ چونکہ اس اختلاف کا منشاء اور مقصد رضائے حق کی رغبت اور طلب صادق ہے اس لیے بمقتضی (اختلاف امتی رحمۃ) امت کے حق میں باعث رحمت ہے۔ اور یہ اختلاف ہر طرح جائز بھی ہے اور پسندیدۂ رسول ہے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ سے برابر چلا آرہا ہے اور تا قیامت رہے گا جو شخص دنیا میں اس اختلاف کو مٹانا چاہے وہ نہایت نادان ہے وہ ناواقف اور فطرت خداوندی کا مقابلہ کرتا ہے جو عادتاً محال ہے۔

اب ہم مدعیان اہل حدیث سے دریافت کرتے ہیں کہ جس طرح ان ائمہ عظام نے مسائل کو ثابت کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ آیت محتمل المعانی سے کسی ایک معنی کو لیتے ہیں اور کسی کو ترک کرتے ہیں۔ اسی طرح احادیث میں سے کسی حدیث پر اسے راجح سمجھ کر عمل کرتے ہیں اور کسی کو مرجوح خیال کر کے متروک العمل قرار دیتے ہیں۔ کیا تم بھی اثبات مسائل کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ؟ اگر تمہارا طریقہ بھی وہی ہے جو ائمہ اربعہ کا تو پھر کیوں یا اور کس وجہ سے ان مذاہب اربعہ کو تو چھوڑ دیا جائے اور تمہارا مسلک اختیار کیا جائے۔ نہ تم جملہ محامل محکم قرآنی پر عامل ہو نہ وہ حضرات۔ اور اسی طرح نہ تم جمیع احادیث مرویہ پر عمل پیرا ہو اور نہ ان حضرات نے عمل کیا ہے۔ تو پھر تمہارے مسلک نو ایجاد کو ان مذاہب پر کیا فوقیت اور برتری ہے۔ علاوہ ازیں ان مذاہب میں سے ہر مذہب کو اپنے سوا تین مذہبوں سے اختلاف ہے اور بقول آپ کے یہ اختلاف وجہ ہے کہ وہ ترک کے قابل ہیں۔ تو پھر تمہارے مذہب کو تو چار مذاہب سے اختلاف ہے تو یہ پانچواں مذہب کیوں قابل ترک نہ ٹھیرے گا جبکہ اختلاف ہی ترک کو مقتضی ہے تو وہ چار میں ہو یا پانچ میں سب ہی متروک العمل ہونے چاہئیں۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ ہمارا طریق عمل قابل اتباع ہے اور ان ائمہ کا طرز عمل قابل ترک ہے؛ کیونکہ ان ائمہ کو احادیث واسطے میسر نہیں ہوئی اور ہم کو نصیب ہوئی، تو یہ خیال کوئی بھی ہوش مند اور سلیم العقل کیوں قبول کرے گا!

بھلا جن لوگوں کو خیر البشر صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قرب حاصل ہو اور صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کا شرف صحبت اور ملاقات میسر ہو اور سلسلہ روایت میں دو تین واسطوں سے زیادہ کی ان کو

ضرورت نہ ہو اور زہد و تقویٰ میں ضرب المثل ہوں اور تحصیل علم میں ہر طرح جولاں و پویاں ہوں، ان کو تو اجابت حق حاصل نہ ہو اور جن کو ان فضائل جلیلہ میں سے کوئی معتد بہ حصہ نہ ملا ہو ان کو نفس الامری حق میسر ہو جائے کس قدر لغو خیال اور مضحکہ خیز بات ہے!

"کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔"

ایں ہمہ سابقین کو تو عامل بالقرآن والحدیث نہ کہنا اور اپنے گروہ قلیلہ کو اس نام کے ساتھ موسوم کرنا سراسر ہٹ دھرمی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید شرک و بدعت ہے اور مقلدین گمراہ ہوں گے نافرمان ہیں، دوزخ ان کا مقام ہے، تقلید کو چھوڑو اور قرآن و حدیث پر عمل کرو، کس قدر لغو اور باطل ہے۔ ذرا انصاف فرمائیے جبکہ غیر مقلدین کا عمل بھی وہی ہے جو حضرات ائمہ کا تھا۔ یعنی راجح پر عمل کرنا اور مرجوح کو چھوڑ دینا، تو پھر ائمہ ہدیٰ کی پیروی سے عمل بالقرآن والحدیث کیوں حاصل نہ ہوگا اور ان کی پیروی سے کیسے حاصل ہو جائے گا۔ ارباب دانش ذرا غور فرمائیں کہ متقدمین کی تابعداری بہتر ہے یا پچھلے تنگ خیال لوگوں کی!

درحقیقت سلف صالحین کی تقلید سراسر رشد و ہدایت ہے اور ان غیر مقلدین کی کورانہ تقلید سراپا گمراہی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حضوری حاصل نہیں ہے ان کو بغیر تقلید کے کوئی چارہ کار نہیں۔ ہاں اگر نظم قرآن میں تعدد معانی نہ ہوتا اور احادیث میں تعارض اور تناقض نہ پایا جاتا اور طبائع انسانی مختلف الاستعداد نہ ہوتیں تو تقلید سلف کی چنداں ضرورت نہ ہوتی، مگر جبکہ یہ سب امور

موجود اور محقق ہیں تو پھر سلف کی تقلید نہایت ضروری اور لازمی ہے۔

تفصیلی جواب :۔ قرآن و حدیث کے مضامین میں اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ان تمام مضامین کی چھ قسمیں نکلتی ہیں۔

(۱) اعتقادیات ، جن پر قطعی اذعان اور پختہ یقین کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

(۲) وہ اعمال و اشغال جن کا مقصد تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق سے ہے۔

(۳) قصص و حکایات یا امثال وغیرہ جن سے ترغیب و ترہیب مقصود ہے۔

(۴) وہ قطعی اور غیر متعارض احکام جن کا تعلق طریق عبادات و تشریح معاملات سے ہے۔

(۵) وہ فروعی احکام جو آیات و احادیث متعارضہ سے ثابت کیے جاتے ہیں۔

(۶) وہ احکام جو آیات و احادیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہوتے بلکہ دلالۃً یا اقتضاءً یا اشارۃً یا اور کسی طریقۂ خفیہ سے سمجھے جاتے ہیں اور ان میں اجتہاد کو دخل ہے یعنی مسائل قیاسیہ۔

اول چار قسم کے مضامین قرآن و سنت کا لب لباب ہیں ، ان کے مقاصد بہت اعلیٰ ہیں اور ان پر کاربند ہونا نفوس انسانی کے لیے ذریعۂ نجات اور موجب فلاح ہے ۔ اور یہی وہ مضامین عالیہ ہیں جن پر صحابۂ کرام سے لے کر اب تک تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق رہا ہے ۔ اور انہی اعتقادات و اعمال پر فرقۂ ناجیہ کا دوسرے تمام باطل فرقوں سے امتیاز کا

دارومدار رہا ہے اور یہی فرقہ ارشادِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم " ما انا علیہ واصحابی " کا مصداق ہے۔ ان مضامین میں ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ متفق اور صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر گامزن اور عامل بالقرآن والحدیث ہیں۔

رہی پانچویں قسم چونکہ وہ احکام ہی اس طرح کے ہیں کہ ان کے بارے میں آیات محتمل المعانی یا احادیث متعارضہ وارد ہوئی ہیں اس لیے ان احکام میں خود شارع علیہ السلام نے اجتہاد کا حکم صادر فرمایا ہے جیسا کہ حدیث معاذ سے ظاہر ہے۔ اس کی تعمیل حضرات صحابہ نے بھی کی ہے اور ائمہ اربعہ نے بھی۔ لہٰذا اس میں بھی ائمہ اربعہ صحابہ کرام کے متبع اور پیرو ہیں۔ صحابہ کرام نے بعض مواقع پر صحیح حدیث کو کسی آیت یا کسی مشہور حدیث سے متعارض ہونے کی بنا پر چھوڑ دیا ہے۔

دیکھیے! حضرت عمر فاروق رض اور حضرت عائشہ رض نے فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کو رد کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ معتدۃ الثلاث کا سکنیٰ اور نفقہ واجب نہیں، اور اس کے مقابلہ میں آیت قرآنی " وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین " سے استدلال کیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رض نے حدیث " المیت یعذب ببکاء الحی علیہ " کو آیت قرآنی " ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ " سے متعارض سمجھ کر رد فرما دیا۔ اسی طرح شبِ معراج میں رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ رہا ہے بعض حضرات بوجہ آیت " لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار " رویت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور بعض اس کو ثابت کرتے ہیں۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ کس کا قول صواب ہے اور کس کا خطا ہے۔ ہمارا مقصود تو یہاں پر صرف یہ بتلانا ہے کہ صحابہ کرام میں کسی حدیث کا رد یا انکار

باوجود دوسری دلیل قوی کے مرجح اور معمول بہ رہا ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ بھی سنت صحابہ میں داخل ہے جو آج تک ائمہ اربعہ اور محدثین کبار میں جاری و ساری ہے۔ پس جس طرح صحابہ کرام باوجود اس رد و انکار کے عامل بالقرآن والحدیث ہیں اسی طرح ائمہ اربعہ اور محدثین بھی ہرگز ہرگز عمل بالقرآن والحدیث سے باہر نہیں ہیں۔ ان پر یہ الزام عائد کرنا کہ انھوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، محض فریب نفس اور مغالطہ ہے۔

نیز جس طرح صحابہ کرام باوجود بعض مسائل میں اختلاف باہمی کے جنت کی اور راہ یاب ہیں جیسا کہ حدیث رزین کا یہ جملہ "فمن اخذ بشیئ مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی" مشیر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نصوص محتمل المعانی اور احادیث متعارضہ میں مقصود شارع یہ ہے کہ علماء امت تعیین مراد میں نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد و استنباط کریں۔ اگر اصابت مراد حاصل ہوگئی تو دوہرا ثواب ملے گا ورنہ ایک ثواب تو ضرور ہی ملے گا۔ اللہ و رسول کے نزدیک اسی تلاش و جستجو کا نام ہدایت اور رہ روی ہے، صرف اصابت رائے ہی کا نام ہدایت نہیں۔

درحقیقت رہروی و ہدایت اسی طور و طریق پر چلنے کو کہتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول کو پسند ہے۔ اسی وجہ سے حدیث رزین میں ارشاد ہے "فهو عندی علی هدی" لہٰذا یہ خیال سراسر غلط ہے کہ جس کو اصابت حق نہیں ہوئی وہ گمراہ ہے ورنہ بعض صحابہ کو مختلف فیہ مسائل میں معاذ اللہ گمراہ کہنا شرعاً جائز اور درست ہوگا حالانکہ ایسا کہنا کسی ذی ہوش کے نزدیک درست نہیں بلکہ از روئے حدیث بالا سبھی راہ یاب اور مہتدی ہیں۔ دراصل گم کردہ راہ اور گم کردہ مقصود میں بہت بڑا فرق ہے۔ اول کو شرعاً ضال کہتے ہیں جو راہ حق

کا تارک اور اصل مقصود کا فاقد ہے اور دوسرے کو مہتدی کہتے ہیں جو مستحق ثواب ضرور ہے اگرچہ مصیب حق نہیں۔ اور اگر مصیب حق بھی ہو تو وہ مہتدی بھی ہوگا اور مفلح بھی کہلائے گا۔ اس طرح طالب شئ کی تین قسمیں ہوتی ہیں،

اوّل، ضال، جو راہ اور مقصود دونوں کا تارک ہوتا ہے۔

دوم، مہتدی خاطی، جو راہ یاب ہے حق یاب نہیں مگر مستحق ثواب ضرور ہے۔

سوم، مہتدی مصیب، جو راہ یاب بھی ہے اور حق یاب بھی۔ یہ دوہرے ثواب کا مستحق ہے۔

اب یہاں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مذاہب اربعہ کے برحق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اختیار کرنے والے سب عند اللہ راہ پسندیدہ پر چلنے والے ہیں اور سب اللہ کے نزدیک ماجور و مشکور ہیں۔ کسی کی خطا و غلطی پر ان شاء اللہ مواخذہ و مناقشہ نہ ہوگا، یہ معنی نہیں کہ سب مصیب حق ہیں، کیونکہ یہ تو بدیہی البطلان ہیں۔ اس لیے کہ حق متعدد نہیں ہو سکتا۔ حق تو نفس الامر میں ایک ہی ہو سکتا ہے۔ نیز یہاں پر اس فرق کو بھی خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ راہ حق پر چلنا اور چیز ہے اور حق پر پہنچ جانا اور چیز ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مذاہب اربعہ کو علی الحق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سب کے سب شارع کے پسندیدہ طریقے پر گامزن ہیں۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے "المجتہد یخطی و یصیب" ہر مجتہد کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ہر مذہب میں خطا و صواب کا احتمال ہے۔

الحاصل آیات متعارضہ اور احادیث متناقضہ میں جو مسلک صحابہ کرام کا تھا وہی بعینہ ائمہ اربعہ کا ہے، سرمو فرق نہیں۔ لہذا جس طرح حضرات صحابہ

مجتہد تھے اسی طرح حضرات ائمہ اربعہ بھی مجتہد ہی ہیں۔ اہل حدیث ہزار بار سر پٹخیں تفرقہ کی کوئی وجہ موجب بیان نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضہم لبعض ظہیرا۔

اب رہا قرآن و حدیث کے مضامین کی جس قسم کا معاملہ یعنی وہ احکام جو آیات و احادیث سے صراحۃً ثابت نہیں ہوتے بلکہ دلالۃً یا اشارۃً یا اقتضاءً یا اور کسی خفی طریقہ سے سمجھے جاتے ہیں اور ان میں مجتہدین اجتہاد کرتے ہیں۔ جن کو مسائل قیاسیہ کہا جاتا ہے تو اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ یہاں ایک قیاس دوسرے قیاس سے متعارض ہوتا ہے کسی آیت یا حدیث سے تعارض نہیں ہوتا اور اس کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ جب آیت و حدیث سے کسی مسئلہ کا پتہ نہ چلے تو اپنی رائے سے اجتہاد و استنباط کرو۔

حدیث معاذؓ ملاحظہ کیجیے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ۔ لہٰذا مجتہدین کے اجتہاد کی ضرورت دو ہی مقام پر ہوتی ہے۔ ایک وہاں کہ جہاں پر دلائل متعارضہ یا النصوص محتمل المعانی کسی امر کے متعلق وارد ہوں۔ اور دوسرے اس جگہ کہ آیات و احادیث سے صراحۃً ایک چیز کا حکم اور حال نہ معلوم ہوتا ہو تو لا محالہ وہاں پر بذریعہ قیاس صحیح اس کا حکم دریافت کیا جائے گا۔ ایسے ہی احکام کو مسائل قیاسیہ یا احکام مستنبط کہا جاتا ہے، اور یہی وہ مواقع ہیں جہاں پر رائے اور اجتہاد سے کام لینا شرعاً محمود ہے۔ اور یہ طریقہ اللہ اور رسول کو پسند ہے، اس میں اصابت حق ہو یا نہ ہو ثواب اور اجر ضرور ملیگا لہٰذا ائمہ مجتہدین ان آخری دو قسموں میں بھی عامل بالقرآن والحدیث ہیں،

جس طرح پہلے چار قسموں میں عامل بالقرآن والحدیث تھے۔ لہٰذا سفہائے زمانہ کا یہ زعم کہ ائمہ اربعہ کی تقلید اور ان کی اتباع میں عمل بالقرآن والحدیث ہاتھ سے جاتا رہتا ہے، محض نادانی اور تلبیس شیطانی ہے۔

اچھا اگر ان کو یہ خیال بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو کیا ان سفہاء کی پیروی میں یہ بات نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔ ان کا مسلک نہ تمام احادیث کے مطابق ہے اور نہ تمام صحابہ کے موافق۔ انھوں نے مذاہب اربعہ سے کچھ کاٹ چھانٹ کر ایک نیا مسلک قائم کر لیا ہے۔ اس میں بھی یہ خدشہ موجود ہے جو دوسرے مذاہب میں ہے۔ پھر فقہائے کاملین کی اتباع چھوڑ کر ان کی پیروی کرنا کونسی عقلمندی ہوگی اور اس میں کونسا مزید ثواب ہے۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ عن امثال ہٰذہ الوساوس۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

اندھی تقلید

کہا جاتا ہے کہ اندھی تقلید کی مخالفت ہے۔ کورانہ اور جامد تقلید سے روکا جاتا ہے — معلوم نہیں کہ وہ اندھی اور جامد تقلید کیا ہے اور کون اس کا داعی اور مبلغ ہے۔

ہمارے دور میں اندھی تقلید کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ قرآن کی نظر میں کورانہ تقلید یہ ہے کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کی جائے۔ قرآن پاک نے جہاں کہیں تقلید کی مذمت کی ہے اسی قسم کی تقلید کی کی ہے۔ جب کبھی قرآن نے کفار کی بے تکی اور نامعقول باتوں پر دلائل کا مطالبہ کیا، قرآن کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

وقالوا انا وجدنا آباءنا علےٰ امۃ وانا علی آثارھم مقتدون۔

کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کی روش یہی دیکھی ہے اس لیے ہم انہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔

اس پر قرآن مجید نے جو اعتراض کیا وہ یہ نہیں تھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید غلط ہے، بلکہ یہ تھا۔

اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون۔

تمہارے باپ دادوں میں عقل و ہدایت کا کوئی شمہ بھی نہ ہو پھر بھی تم ان ہی کی تقلید کیے چلے جاؤ گے۔

دوسری جگہ ذرا نرم لہجہ میں ارشاد ہے:-

قل اولو جئتکم باھدیٰ	آپ کہہ دیجیے اگرچہ میں تمہارے
مما وجدتم علیہ آباءکم	سامنے وہ راہ پیش کروں جو اس
قالوا انا بما ارسلتم بہ	سے کہیں زیادہ بہتر ہو جس پر تم نے
کافرون۔	اپنے باپ دادوں کو پایا ہے؟

انھوں نے جواب دیا جو طریق تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم تو اسے مان نہیں سکتے۔"

اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کے آباؤ اجداد میں عقل کی روشنی اور نور ہدایت ہوتا تو قرآن کو ان کی تقلید پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں کورانہ اور اندھی تقلید گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کرنا ہے اور اس کے بالمقابل روشن خیالی یہ ہے کہ ہدایت اور عقل کی بات کی پیروی کی جائے۔

آج کے دور میں عالم غیب کی بلند سے بلند حقائق، انبیاء کے عمیق سے عمیق معارف اور اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ان تمام باتوں کو ان کے اعتماد پر مان لینا جن کو ان کی سچی نظروں نے خود دیکھا یا فہم سلیم سے اچھی طرح سمجھا کورانہ اور اندھی تقلید کہلاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں یورپ کے فلاسفروں اور مورخوں کی نا تمام اور ادھوری تحقیقات کو پورے یقین کے ساتھ مان لینا روشن خیالی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو اختلاف دلائل کے ہونے اور نہ ہونے کا نہیں، بلکہ اعتماد اور بے اعتمادی کا ہے۔

عصر حاضر کے موجدین اور سائنس دانوں پر چونکہ پورا اعتماد

حاصل ہے اس لیے ان کی باتیں دلیل سے یا بے دلیل ماننا روشن خیالی میں شمار ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ دل کی گہرائیوں میں وہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لیے یہاں ان کی تصدیق کے لیے ان کے فرمان سے بھی بڑھ کر کسی اور دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے، اور ان کی باتیں بے دلیل ماننا اندھی اور جامد تقلید نظر آتی ہے۔

اسی طرح قرآن و سنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے ائمہ مجتہدین کو شارح قانون مان کر ان کی شرح و تعبیر پر اعتماد کرنا اور ان کی پیروی کرنا ایک طبقہ کے نزدیک اندھی تقلید ہے اور اس کے مقابلہ میں خود رائی اور آزاد روشی اور کسی کے منفردات پر عمل پیرا ہونا روشن خیالی سمجھا جاتا ہے۔ فیا للعجب!

علامہ شعرانی اپنی کتاب "المیزان" میں لکھتے ہیں:

"اے عزیز اگر تو بہ نظر انصاف دیکھے گا تو یہ حقیقت منکشف اور واضح ہو جائے گی کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلد سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں۔ اور یہ امر ذہن نشین ہو جائے گا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں داخل ہیں۔ اور ان کے مختلف اقوال امت کے لیے رحمت ہو کر نازل ہوئے ہیں۔"

امام اعظم ابو حنیفہؒ

امام صاحب کے حالات ذکر کرنے سے پہلے یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ تذکرہ صرف تعارف کی حد تک ہے۔ ان کے حالات زندگی

تفصیلات یا ان پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں کہ اس کے لیے بڑی فرصت درکار ہے۔ پھر اس کا یہ محل بھی نہیں۔ اس مختصر تذکرہ سے اجمالاً یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام اعظمؒ حفظ و دیانت، عبادت و عادت، اخلاق و عقل اور فہم و فراست میں کتنا بلند پایہ رکھتے تھے۔ امام صاحب کا یہ تذکرہ صرف عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اس مختصر تذکرہ کو بصیرت کے ساتھ پڑھیے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کیسے تھے اور ان کا کیا مرتبہ تھا۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تاریخ کا یہ بھی عجیب خیز ورق ہے کہ وہ ایک طرف تو امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بھری جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت و عقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ کی ذات میں لگا نہیں دیتی۔

خطیب بغدادی نے پورے ستر صفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے۔ پہلے امام صاحب کے مناقب میں صفحے کے صفحے رنگ دیے ہیں۔ اس کے بعد تقریباً اتنے ہی صفحات پر آپ کی ذات میں وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کسی بدتر سے بدتر آدمی پر بھی نہیں کی جا سکتیں۔

ایک متوسط عقل رکھنے والا انسان ان متناقض بیان کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسی دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر

عیوب کی یہ طویل فہرست صرف فرضی حکایات اور صریح بہتان ہے۔

مؤرخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تردید کی ہے:-

"وقد ذكر الخطيب في تاريخه منها شيئاً كثيراً ثم اعقب ذلك بذكر ما كان الاليق تركه والاضراب عنه فمثل هذا الامام لا يشك في دينه ولا في ورعه ولا في حفظه ولم يكن يعاب بشيء سوى قلة العربية۔"

(جلد ۲: ص ۱۶۵)

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایسی نا گفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا۔ کیونکہ امام اعظم جیسے شخص کے متعلق دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے نہ حفظ و ورع میں۔ آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

امام صاحبؒ کے خلاف جس قدر مواد جمع ہو سکتا تھا خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اس کو یکجا جمع کیا ہے۔ جس کو ہر طبقے کے غیر مقلدوں نے شائع کیا ہے۔ مگر علامہ کوثری نے تانیب الخطیب میں ہر واقعہ کی سند پر کلام کرکے اس کی قلعی کھول دی ہے اور امام صاحب اور ان کے اصحاب کے بارے میں جس قدر جھوٹی روایات اور حکایات گھڑی گئی تھیں، سب کا جھوٹ نمایاں کرکے امت مرحومہ پر احسان عظیم کیا ہے۔

یہاں یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات آپ کی تعدیل و توثیق اور جارحین کی جروح کے مدلل جوابات کے سلسلہ میں جو کچھ یہاں لکھا گیا ہے اس کا ماخذ حضرت العلام مولانا عبد الغفار صاحب اعظمی کا ایک غیر مطبوعہ قلمی رسالہ ہے جو مجھ کو قیام بنارس کے زمانہ میں دستیاب ہوا تھا۔ حضرت مولانا عبد الغفار صاحب مئو ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانہ کے متبحر عالم، محقق اور علوم نقلیہ و عقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی رح اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ اور فقیہ العصر مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی کے استاد اور مربی تھے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابو حنیفہ رحمت اللہ علیہ اعلیٰ درجے کے مقدس مجتہد، محدث، ثقہ، صدوق، زاہد، عارف، خاشع اور متورع تھے۔ ان کے مناقب و فضائل میں محدثین اور علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ ہزارہا رسائل تصنیف فرما چکے ہیں۔ ان کے کمالات اور مناقب اسی طرح مسلم الثبوت ہیں جس طرح قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ کی ولایت۔

ائمہ میں امام اعظم آپ ہی کا لقب تھا، علماء اور محدثین کا بہت بڑا مجمع آپ کے ماننے والوں میں رہا ہے اور امت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے چل رہا ہے۔ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے ورع اور تقویٰ، جود و سخا، علم و فضل، خرد و عقل کے جملہ کمالات آپ میں موجود تھے۔ آپ کی توثیق و تعدیل بڑے بڑے نقاد فن محدثین اور فقہاء امت کر چکے ہیں۔ آپ کے مناقب میں صدہا کتابیں عربی اور فارسی میں تصنیف کی جا چکی ہیں۔ چونکہ اکثر کتابیں عربی میں ہیں، اور ہر شخص کے پاس وہ کتابیں موجود نہیں اور نہ ہر شخص زبان عربی سے واقف ہے اس لیے ہم اس رسالہ میں امام صاحب سے متعلق حسب ذیل امور سے بہت ہی محققانہ طور سے بحث کریں گے۔

(۱) امام صاحب کے مناقب اور ان کے ثقہ و صدوق اور جید الحافظ ہونے کا ثبوت۔

(۲) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا تحقیقی جواب۔

(۳) آپ کے محدث، حافظ اور ناقد الحدیث ہونیکا ثبوت اور قلیل الروایت ہونے کی شرح۔

(۴) آپ کی فصاحت و بلاغت اور عربی عبارت کا ثبوت۔

امام صاحب کے حالات

امام اعظم آپ کا لقب، ابو حنیفہ آپ کی کنیت اور نعمان آپکا اسم گرامی ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت ثابت کوفہ کے بہت بڑے تاجر تھے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندان کے لیے دعا فرمائی۔

(تاریخ بغداد لابن جزء ۲)

آپ کی ولادت اگرچہ علامہ زاہدی کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۷۰ھ میں تسلیم کی ہے اور قرائن و دلائل سے اس کو ترجیح بھی دی ہے۔ لیکن حافظ شمس الدین ذہبی اور جمہور آپ کی ولادت ۸۰ھ میں مانتے ہیں۔

امام صاحب کا اصلی وطن کوفہ ہے، جو اس وقت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ کیونکہ کوفہ میں ہزاروں صحابہ کا

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ

تقلید ائمہ

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی

ناشر

(مولانا) معاذ الاسلام سنبھلی

قیام رہ چکا تھا۔ رسول خدا صلعم کی وفات کے بعد علوم و فنون کے مراکز تین تھے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ۔ مکہ میں صدر مدرس حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ اور زید ابن ثابت رضؓ، اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضؓ تھے۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں کوفہ دار الخلافہ تھا اور یہاں پر چار ہزار سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے، اور آٹھ سو سے زیادہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے شاگرد تھے۔

امام صاحب کی تربیت و تعلیم اس بڑے علمی مرکز کوفہ میں ہوئی۔ اس کے علاوہ علماء حرمین شریفین سے بھی برابر استفادہ فرماتے رہے۔ آپ کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہونچتی ہے۔ امام صاحب کے اساتذہ میں صحابہ کرام کے بعد اعلیٰ درجہ کے اہل علم و فضل تابعین عظام تھے۔

امام صاحب کے متعلق بشارت نبوی

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے "تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نے امام ابوحنیفہ رضؓ کے بارے میں بشارت دی ہے۔ جس حدیث میں آپ نے فرمایا کہ علم اگر ثریا پر بھی ہوگا تو فارس کے کچھ لوگ ضرور حاصل کر لیں گے۔

اس حدیث ابوہریرہ رضؓ کو صحیح بخاری و مسلم اور دوسری کتب حدیث میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ البتہ کچھ الفاظ کا اختلاف ہے۔

بعض جگہ لفظ دین اور بعض میں لفظ ایمان وارد ہوا ہے۔ اس کی پوری تفصیل محدث کبیر علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تبییض الصحیفہ میں تحریر فرمائی ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ روایت اصل کے اعتبار سے صحیح ہے اور بشارت و فضیلت کے باب میں معتمد علیہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے امام صاحب کی منقبت میں کسی غیر معتمد حدیث کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہم بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث "لو کان العلم بالثریا لتناولہ اناس من ابناء فارس" (مسند احمد ص[illegible]) کا اولین مصداق امام صاحب ہیں۔

امام صاحب تابعی تھے

علامہ ابن حجر مکیؒ نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے آٹھ صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں تصریح کی ہے کہ حضرت امام صاحب نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا ہے۔

حافظ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ جب کوفہ میں تشریف لائے تو امام صاحب نے ان کو کئی بار دیکھا۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب مقتدائے غیر مقلدین نے باوجود تعصب اور مخالفت کے التاج المکلل میں رویت حضرت انسؓ کا اعتراف کیا ہے اور خطیب کی تاریخ بغداد سے اس کو نقل کیا ہے۔

الغرض بڑے سے بڑے محدثین نے روایت انسؓ کو تسلیم کیا ہے جو حدیث صحیح کے مطابق اور محققین و محدثین کے اصول پر بھی تابعی ہونے کے لیے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبی نے امام صاحب کو محدثین کے طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے اور تقریب میں ان کو طبقۂ سادسہ میں ذکر کرنے کو لغزش قلم قرار دیا ہے۔

نیز حافظ موفق نے "مناقب الامام" میں اپنی سند سے بھی امام یوسف کے واسطے سے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سنا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"الدال علے الخیر کفاعلہ واللہ یحب اغاثۃ اللھفان"

یعنی جو شخص نیکی کا راستہ بتلائے وہ بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالے مظلوم اور مصیبت زدہ کی مدد و فریاد رسی کو پسند فرماتے ہیں۔

"ھدایۃ المھتدی" جلد دوم میں مولانا وحید الزماں پیشوائے غیر مقلدین نے لکھا ہے کہ تابعی وہ ہے جو کسی صحابی سے حالت ایمان میں ملا ہو، لہذا ابو حنیفہؒ بھی اس لحاظ سے "تابعین میں سے ہیں کیونکہ انھوں نے حضرت انسؓ صحابی کو دیکھا ہے جس کو ابن سعد نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

اسی طرح فتاویٰ حافظ ابن حجر میں بھی تصریح ہے کہ امام صاحب نے ایک جماعت صحابہ کو پایا جو کوفہ میں تھے، لہذا وہ طبقہ تابعین میں سے تھے اور یہ فضیلت کسی کو آپ کے سوا ائمہ امصار میں سے حاصل نہ ہوئی۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے "الخیرات الحسان" میں لکھا ہے کہ

امام صاحب اعلیٰ تابعین میں سے تھے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنٰت تجری من تحتھا الانھر خٰلدین فیھا ابدًا ذٰلک الفوز العظیم۔

اور جن لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔ اور اس نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہونگی، ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

امام صاحبؒ کا علم

حضرت حماد رحؒ کے درس میں امام صاحب کے سوا کوئی اور استاد کے سامنے نہ بیٹھتا تھا۔ دس برس ان کی خدمت میں رہے تھے۔ ایک دفعہ اپنی جگہ امام صاحب کو بٹھا کر حضرت حماد رحؒ باہر گئے۔ اس عرصہ میں امام صاحب لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے رہے جن میں وہ مسائل بھی آئے جو استاد سے نہ سنے تھے۔ استاد کی واپسی پر وہ سب مسائل ان کی خدمت میں پیش کیے جن کی تعداد ساٹھ تھی۔ استاد نے چالیس سے اتفاق کیا اور بیس سے اختلاف، تب امام صاحب نے قسم کھائی کہ ساری عمر خدمت میں حاضر رہوں گا چنانچہ استاد کی وفات تک ساتھ ہی رہے۔ کل زمانہ رفاقت

اٹھارہ سال ہوا حضرت حماد کے صاحب زادہ اسماعیل نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ والد صاحب سفر میں گئے اور کچھ دن باہر رہے۔ واپسی پر میں نے دریافت کیا ابا جان آپ کو سب سے زیادہ کس کو دیکھنے کا شوق تھا؟ فرمایا ابو حنیفہ کو دیکھنے کا۔ اگر یہ ہو سکتا کہ میں کبھی نگاہ ان کے چہرے سے نہ اٹھاؤں تو یہی کرتا۔

عبادت و ورع

حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ میں نے کوفہ پہنچ کر پوچھا کہ کوفہ والوں میں سب سے زیادہ پارسا کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابو حنیفہ۔ ان ہی کا یہ بھی قول ہے کہ حالانکہ کبھی دروں سے، کبھی مال و دولت سے ان کی آزمائش کی گئی مگر میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ پارسا کسی کو نہیں پایا۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ ہمارے وقت میں کوئی آدمی مکہ میں ابو حنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔

ابو مطیع کا قول ہے کہ میں قیام مکہ کے زمانہ میں رات کی جس ساعت میں طواف کو گیا ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کو طواف میں مصروف پایا۔

ابو عاصم کا قول ہے کہ کثرت نماز کی وجہ سے ابو حنیفہ کو لوگ میخ کہنے لگے تھے۔

شب بیداری اور قرآن خوانی

یحییٰ بن ایوب الزاہد کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ رات کو نہیں سوتے تھے۔

اور اسد بن عمرو کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ شب کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ اور یہ بھی کہا کہ جس مقام پر وفات ہوئی ہے وہاں امام صاحب نے سات ہزار قرآن ختم کیے تھے۔

ابو الجویریہ کا قول ہے کہ میں نے کسی کو ابو حنیفہ سے بہتر شب بیدار نہیں پایا۔ مہینوں ان کی صحبت میں رہا لیکن ایک رات بھی ان کو پہلو لگاتے نہیں دیکھا۔

مسعر بن کدام نے بیان کیا کہ میں ایک رات مسجد میں گیا تو کسی کے قرآن پڑھنے کی دل کش آواز سنی جو دل میں اتر گئی۔ وہ پڑھتے ہی رہے یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ایک رکعت میں ختم کر دیا۔ دیکھا تو وہ ابو حنیفہ تھے۔

خارجہ بن مصعب کا قول ہے کہ خانہ کعبہ میں چار اماموں نے پورا قرآن پڑھا ہے۔

حضرت عثمان رض، تمیم داری رض، سعید بن جبیر رح اور امام ابو حنیفہ نے۔

قاسم بن معن کا بیان ہے کہ ایک رات ابو حنیفہ رح نے نماز میں یہ آیت پڑھی:۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ	بلکہ قیامت ان کا وعدہ گاہ ہے، اور
وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۞	قیامت بہت سخت اور نہایت تلخ ہے۔

تمام رات اسی کو دہراتے رہے اور شکستہ دل سے روتے رہے۔

جود و سخا اور امدادِ مستحقین

امام صاحب ہر شخص کی التجا و آرزو پوری کرتے تھے۔ سب کے ساتھ احسان کرتے تھے۔ بال تجارت بغداد بھیجتے، اس کی قیمت کا مال کوفہ سے

منگواتے، سالانہ منافع جمع کر کے شیوخ محدثین کے لیے ضرورت کی اشیار خریدتے، خوراک لباس وغیرہ جملہ ضروریات کا انتظام کرتے اور نقد بھی دیتے۔

امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ امام صاحب ہر سائل کی حاجت کو پورا کیا کرتے تھے۔

وکیعؒ کا قول ہے کہ واللہ ابو حنیفہ بڑے امین تھے۔ اللہ کی جلالت و کبریائی ان کے دل میں بھری ہوئی تھی۔ اور کہا کہ امام صاحب اپنے بال بچوں کے لیے کپڑا بناتے تو اس کی قیمت کے برابر صدقہ کرتے اور جب خود نیا کپڑا پہنتے تو اس کی قیمت کے برابر شیوخ علمار کے لیے لباس تیار کراتے۔ جب کھانا سامنے آتا تو اول اپنی خوراک کی مقدار سے دوگنا نکال کر کسی محتاج کو دیتے۔

امام اعظمؒ ثقہ، صدوق اور جید الحافظ تھے

امام صاحب کے ثقہ، صدوق اور جید الحافظ ہونے کے متعلق اور آپ کی توثیق و تعدیل کے بارے میں بکثرت نقادِ فن اور کبار محدثین انصاف پسند حضرات نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ یہاں ہم مختصر طور پر چند اکابر کے نام نامی اور ان کی عبارت نقل کرتے ہیں:۔

(۱) یحییٰ بن معین مشہور محدث اور فنِ رجال کے متبحر عالم تھے۔ امام بخاریؒ وغیرہ کے استاد ہیں، جن کے بارے میں امام بخاری رح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے یحییٰ بن معین کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا۔ انھوں نے امام صاحب کی اعلیٰ درجہ کی تعدیل و توثیق فرمائی

ہے :۔

ابوالمؤید امام موفق بن احمد مکی نے "مناقب الامام الاعظم" ص ۱۹۲، ۱۹۳ ج ۱ میں مع السند یہ روایت نقل کی ہے :۔

انبأنا احمد سمعت یحییٰ ابن معین یقول وھو یسئل عن ابی حنیفة أثقة ھو فی الحدیث، فقال نعم ثقة ثقة کان واللّٰہ اورع من ان یکذب وھو اجل قدرا من ذالک ۔ (مناقب الامام ص ۱۹۲ ج ۱)	احمد رہ نے بتایا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا کہ ان سے امام ابوحنیفہ رہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے ؟ تو جواباً انھوں نے فرمایا کہ ہاں وہ ثقہ اور قابل اعتماد تھے ۔ اللہ کی قسم وہ جھوٹ سے بالاتر تھے ۔
وقال احمد فی روایة احمد ابن عطیة عنه وقد سئل ھل حدیث سفیان عن ابی حنیفة رہ قال نعم کان ابوحنیفة ثقة صدوقا فی الحدیث و الفقه مامونا علی دین اللّٰہ ۔	احمد رہ نے امام ابوحنیفہ رہ کے بارے میں احمد بن عطیہ کا قول نقل کیا کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام ابوحنیفہ رہ کے متعلق سفیان کی کوئی روایت ہے ۔ فرمایا ہاں ، ابوحنیفہ حدیث وفقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ کے دین پر قابل اعتماد تھے ۔ علہ
وقال یحییٰ بن معین اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفة واصحابه	یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ہمارے آدمی امام ابوحنیفہ رہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں زیادتی سے

علہ یہ مضمون حسب ذیل کتابوں میں بھی ہے ۔ المناقب للامام ذہبی کی ص ۲۷ [illegible] عمدۃ القاری [illegible]

فقيل له أكان يكذب
قال أنبل من ذلك
الخ

کام لیتے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا وہ جھوٹ بولتے تھے؟ فرمایا وہ اس سے بالاتر تھے۔

مختصر تاریخ خطیب بغدادی عہ میں ابن جزلہ حکیم بغدادی لکھتے ہیں:

قيل له (ابن يحيى بن معين) أكان ابو حنيفة يكذب قال كان أنبل من ذلك من الكذب وقال مرة أخرى ابو حنيفة عندنا من اهل الصدق ولم يتهم بالكذب وقال مرة كان ابو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث الا بما يحفظ وعنه ايضا وقد سئل عن ابي حنيفة أثقة هو في الحديث قال نعم ثقة ثقة والله اورع من ان يكذب وهو اجل قدرا من ذلك. و عنه وقيل له هل حديث سفيان عن ابي حنيفة

یحییٰ بن معین سے کسی نے کہا کیا ابو حنیفہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ جھوٹ سے بالاتر تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا ابو حنیفہ ہمارے نزدیک سچے تھے ان پر کبھی جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی گئی۔ دوسری مرتبہ فرمایا کہ ابو حنیفہ ثقہ تھے جب تک کوئی حدیث انہیں اچھی طرح محفوظ نہیں ہوتی تھی ہرگز بیان نہیں فرماتے تھے۔

ان سے ایک مرتبہ ابو حنیفہ رح کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ فرمایا ہاں وہ معتبر اور ثقہ تھے اللہ کی قسم وہ جھوٹ سے بہت پرہیز کرنے والے اور جھوٹ سے بالاتر تھے۔

ان سے کہا گیا کیا سفیان رح سے ابو حنیفہ رح کے بارے میں کچھ منقول ہے

عہ علامہ حکیم ابن جزلہ کی مختصر تاریخ بغداد نایاب ہے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ یہ عبارت اسی سے لی گئی ہے ۱۲

قال نعم كان ابو حنيفة ثقة صدوقا فى الحديث و الفقه، مامونا على دين الله عز وجل۔ (خیرات الحسان ص۳۱)

فرمایا ہاں ابو حنیفہ رحمہ حدیث و فقہ میں ثقہ اور سچے تھے اور اللہ کے دین کے بارے میں قابل اعتماد تھے۔

اور عمدة القاری ص[illegible] ج۳، اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے:۔

وسئل ابن معين عنه فقال ثقة ما سمعت احدا ضعفه

ابن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا، فرمایا وہ ثقہ تھے، میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے نہیں سنا۔

یحیی بن معین کا یہ فرمانا کہ میں نے کسی سے امام ابو حنیفہ کی تضعیف نہیں سنی اعلیٰ درجہ کی تعدیل اور توثیق ہے جس کی تائید تہذیب الکمال ص[illegible] سے بخوبی ہوتی ہے۔ اس میں ہے:۔

وقال لى يحيى بن معين مرة كان ابو حنيفة عندنا من اهل الصدق وكذا فى مختصر التاريخ للخطيب البغدادى۔

ایک مرتبہ یحیی بن معین نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ ہمارے نزدیک سچے ہیں۔ خطیب بغدادی کی مختصر التاریخ میں بھی یہی ہے۔

چونکہ عندنا میں ضمیر جمع کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک امام ابو حنیفہ ثقہ و صدوق ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت امام یحیی بن معین نے فرمایا: "ما سمعت احدا ضعفه"۔

(۲) شعبہ بن الحجاج متوفی ۱۶۰ھ، یہ ائمہ صحاح کے اعلیٰ رواۃ میں

ہیں۔ سفیان ثوری ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا کرتے تھے، انھوں نے امام ابو حنیفہ کی توثیق کی ہے بلکہ جید الحفظ کہا ہے۔ خیرات الحسان ص۳۳ میں ہے:

قال شعبة كان (ابو حنيفة) حسن الفهم جيد الحفظ الخ.	شعبہ نے فرمایا امام ابو حنیفہ بہت سمجھدار اور جید الحافظ تھے۔

اور عقود الجواہر المنیفہ ص۳ میں حافظ موصلی کی کتاب تہذیب الکلام[1] سے نقل کیا ہے:

كان شعبة حسن الرأي في ابي حنيفة الخ.	حضرت شعبہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

وكذا في مختصر جامع بيان العلم وفضله للحافظ ابن عبد البر ص۱۹۳۔

جب حضرت شعبہ سے امام صاحب کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ ان کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کیا کرتے تھے اور ہر سال نیا تحفہ ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے (موفق ص۳۳ ج۲) اور فرمایا کرتے تھے کہ جن لوگوں نے ان پر تشنیع کی ہے واللہ وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے خوب واقف ہے (خیرات ص۳۳)

حضرت شعبہ کے پاس امام ابو حنیفہ کی خبر وفات آئی تو انا للہ پڑھا اور فرمایا آج کوفہ پر علم کا چراغ گل ہو گیا اور اب اہل کوفہ کو قیامت تک اس کی نظیر نہ ملے گی۔ (خیرات الحسان ص۲۹)

(۳) عبد اللہ ابن مبارک، یحییٰ ابن معین اور امام احمد ابن حنبل کے

---

[1] تہذیب الکلام نایاب کتاب ہے۔ اس کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ اسی سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے ۱۲

استاد ہیں جن کو امام مہدی نے

لم یکن فی زمانہ اطلب العلم منہ۔	ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طلبگار کوئی نہیں تھا۔

فرمایا ہے یہ تمام محدثین کے شیخ اعظم ہیں۔ ان کی تعریف میں محدثین نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں۔ باتفاق مورخین اس شیخ اعظم نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر لاکھوں روپیہ اسفار پر خرچ کر کے اس دور خیر القرون کے ایک ایک محدث سے حدیثیں حاصل کی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاکھوں حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ وہ جب امام ابوحنیفہؒ کے پاس آئے تو اخیر تک آپ سے جدا نہ ہوئے امام بخاریؒ نے سب سے پہلے ان ہی عبداللہ بن مبارک کی کتابیں یاد کی تھیں۔ آپ (عبداللہ بن مبارک) امیر المومنین فی الحدیث فن حدیث کے رکن اعظم اور ائمہ کبار میں سے ایک امام ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ان کی روایات سے سیکڑوں احادیث موجود ہیں امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا ہے کہ ابن مبارک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ ہیں امام عبداللہ بن مبارک جو امام ابوحنیفہؒ کی تعدیل فرماتے ہیں۔

وذکر الامام النسفی باسنادہ عن احمد بن محمد البغدادی قال سألت یحیی بن معین عنہ فقال عدل ثقۃ ما ظنک بمن عدلہ ابن المبارک و	امام نسفیؒ نے احمد بن محمد بغدادی سے سند کے ساتھ ذکر کیا کہ میں نے یحیی بن معین سے ابوحنیفہ کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ وہ سچے اور ثقہ تھے ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کی تعدیل

وکیع و مناقب الامام الاعظم للامام کردری ج ۱ ص ۹۱

ابن مبارک اور وکیع نے کی ہو (امام کردری کی مناقب امام اعظم ج ۱ ص ۹۱)

عن یحییٰ بن معین قال کان وکیع جید الرأی فیہ رأی فی ابی حنیفۃ ویفتی بہ عن ابن مبارک قال غلب علی الناس بالحفظ والفقہ والعلم والصیانۃ والدیانۃ وشدۃ الورع اھ

یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں وکیعؒ کی رائے بہت عمدہ تھی نیز ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے حفظ، فقہ، علم، احتیاط، دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی وجہ سے سب پر غلبہ پایا۔

اور حافظ وکیع بن جراح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں۔ جن کی مدح میں امام احمدؒ فرماتے ہیں:۔

مارأیت اوعی منہ ولا احفظ

میں نے ان سے زیادہ یاد رکھنے والا اور حافظ کسی کو نہیں دیکھا۔

اور عبداللہ بن مبارکؒ یحییٰ بن معینؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کو امام مہدی نے

لم یکن فی زمانہ اطلب للعلم منہ

ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا طالب کوئی نہیں تھا۔

فرمایا ہے۔

پس جب ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے حافظ ثقہ ماہرین فن حدیث امام ابوحنیفہؒ کو حافظ فرماتے ہیں اور ان کی تعدیل کرتے ہیں تو اب کسی معترض حاسد کو اعتراض کا کیا موقع ہے۔

*

(۴) وکیع بن جراح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے استاد ہیں جن کی مدح میں امام احمدؒ فرماتے ہیں ما رأیت اوعی منہ ولا احفظ مشہور محدث کبیر امام بخاریؒ کے شیوخ کبار میں سے تھے۔ انہوں نے امام صاحب کی تعدیل فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں کوئی حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا، وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اب ندامت سے کیا فائدہ، وہ شیخ یعنی ابو حنیفہؒ اب کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہو جاتا۔ (کردری)

(۵) علی بن المدینیؒ اتنے بڑے امام ہیں کہ جن کی شاگردی امام بخاریؒ امام ابوداؤدؒ اور ذہبی جیسے کبار محدثین نے کی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے ابو حاتم نے کہا ہے

کان علی بن المدینی علما فی الناس فی معرفۃ الحدیث والعلل	علی ابن مدینی فن حدیث اور علل میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

اور امام بخاریؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

ما استصغرت نفسی عند احد الا عند علی بن المدینی	میں نے علی ابن مدینی کے سوا کسی کے سامنے اپنے کو کمتر نہیں جانا۔

انہوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے۔

(عقود الجواہر المنیفہ ص۳ خیرات الحسان ص۳۴)

اور ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ کے ص۱۴۹ میں ہے
قال ابن المدینی ابو حنیفۃ روی عنہ الثوری وابن المبارک وحماد بن زید وجعفر بن عون وھو ثقۃ لا باس بہ

یعنی ابوحنیفہؒ سے سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن العون نے روایت حدیث کی ہے۔ اور وہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں، یہ سب کے سب مقتدائے محدثین اور ائمہ صحاح ستہ کے رواۃ ہیں۔

(۶) سفیان ثوریؒ یہ نہایت عظیم المرتبت شخص ہیں جن کی شان میں شعبہ نے کہا ہے کہ احفظ منی اور خطیب نے کہا ہے۔

كان الثوري اماماً من ائمة المسلمين وعلماً من اعلام الدين مجمعاً على امامته مع الاتقان والضبط والحفظ والمعرفة والزهد والورع	امام ثوریؒ مسلمانوں کے ایک بڑے امام تھے، اور دین کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے۔ ان کی امامت، پختگی، ضبط، حفظ، معرفت، زہد اور تقویٰ پر علماء کا اتفاق ہے۔

(خلاصہ ص...) انھوں نے امام صاحب کو صحیح حدیث کا سیکھنے والا ثقات کی حدیثوں کو طلب کرنے والا ناسخ و منسوخ کا بڑا پہچاننے والا فرمایا ہے۔ مناقب کردری ج۱ اور خیرات الحسان ص۳۲ میں ہے۔

كان والله شديد الاخذ للعلم لا ياخذ الا ما صح عنه صلى الله عليه وسلم شديد المعرفة بالناسخ والمنسوخ وكان يطلب احاديث الثقات والآخر من فعله صلى الله عليه وسلم	امام سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم وہ علم کے بہت زیادہ حاصل کرنے والے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو روایت صحیح ہوتی صرف اسی کو اختیار کرتے اور ناسخ و منسوخ کی پہچان میں قوی تر تھے اور وہ قابل اعتماد حضرات کی روایت اور حضور اکرمؐ کے آخری عمل کے بہت زیادہ متلاشی رہا کرتے تھے۔

وھو اور ث عامة علماء الكوفة في اتباع الحق اخذ به وجعله دينه	اتباع حق میں اکثر علماء کوفہ کی رائے کو قبول کرتے اور ترجیح دیتے (اپنا مسلک قرار دیتے تھے)

باوجودیکہ سفیان ثوری امام صاحب کے معاصر تھے اور باہم چھیڑ چھاڑ بھی رہا کرتی تھی مگر امام عالی مقام کے فضائل جو مثل آفتاب کے روشن تھے نہ چھپا سکے اور صاف لفظوں میں امام صاحب کے فضائل کا اقرار کیا اور حق پسند اہل انصاف لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ علم حدیث کے اخذ میں غیر معمولی طور پر محتاط تھے جن کو روایت کرنے والے ثقہ ہوتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو لیتے تھے باوجود اس کے بعض لوگوں نے ان پر تشنیع کی۔ خدا انہیں اور ہمیں بخشدے۔

اگر سفیان ثوریؒ کے پاس کوئی شخص جاتا اور کہتا کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں تب فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آتے ہو کہ روئے زمین پر اس جیسا فقیہ و عالم نہیں۔ (الخیرات الحسان)

حضرت سفیان ثوری سے جب کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس پر ہم لوگ حسد کرتے ہیں (یعنی ابوحنیفہ) پھر امام صاحب کے شاگردوں سے دریافت کرتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے اور وہ جو جواب دیتے اسی کو یاد کر کے اسی کے موافق فتوی دیتے تھے۔ (موفق کردری)

(۷) اسرائیل بن یونس صحاح ستہ کے راوی ہیں جن کے متعلق

امام احمدؒ نے فرمایا ہے ثقۃ ثبت۔ تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اسماعیل ابن یونس نے خلق کثیر سے حدیث کی اور ان کے حافظ پر امام احمدؒ تعجب کیا کرتے تھے انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کو بہت بڑا حافظ حدیث کہا ہے۔ "تبیض الصحیفہ صفا" اور خیرات الحسان صفحہ ۳۲ میں ہے۔

روی الخطیب عن اسماعیل ابن یونس انہ قال نعم الرجل نعمان کان احفظہم لکل حدیث فیہ فقہ و اشدہم فحصا عنہا و اعلمہم بما فیہ من الفقہ

خطیب نے اسماعیل بن یونس سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا نعمان (امام ابوحنیفہ) اچھے شخص تھے وہ خاص طور پر فقہی احادیث کے بہت بڑے حافظ اور جویاں تھے اور احادیث کے مسائل فقہ سے بہت زیادہ واقف تھے

(۸) یزید بن ہارون ائمہ صحاح ستہ کے راوی ہیں اور علی ابن المدینی اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں۔ امام احمدؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

کان حافظاً متقنیا — وہ حدیث کے حافظ اور ماہر تھے

اور امام عجلی نے کہا ہے ثقۃ ثبت اور ابو حاتمؒ نے کہا ہے امام لا یسئل عن مثلہ

(خلاصہ صفحہ ۳۶۳)

یزید بن ہارون اپنے زمانہ کے امام کبیر اور ثقہ محدث تھے اور امام اعظمؒ امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کے شاگرد تھے انہوں نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ حافظ حدیث ہیں۔ ذہبیؒ "تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۵۲"

ہیں اور سیوطی تبییض الصحیفہ صفحہ ١٢ میں لکھتے ہیں۔

سئل یزید بن ہارون أیما أفقہ الثوری او ابوحنیفہ فقال ابوحنیفہ افقہ و سفیان احفظ	یزید بن ہارون سے کسی نے دریافت کیا کہ ثوری بڑے عالم تھے یا ابوحنیفہ؟ تو جواب دیا کہ ابوحنیفہ فقہ کے بڑے عالم تھے اور ثوری حدیث کے۔

افقہ اور احفظ اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ دونوں فقیہ اور حافظ حدیث تھے مگر ابوحنیفہ افقہ اور حافظ تھے اور سفیان ثوری فقیہ اور احفظ تھے۔ پس امام ابوحنیفہ کا حافظ حدیث ہونا یزید بن ہارون کے کلام سے بھی ثابت ہوا۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ میں نے علماء سے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ان کا نظیر تلاش کیا گیا مگر نہ ملا اور فرمایا کرتے تھے کہ امام صاحب اعظم الناس ہیں۔ (مناقب موفق)

اور فرماتے ہیں کہ میں نے ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا لیکن خدا کی قسم میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو ورع حافظ اور عقل میں نہیں پایا۔ (حدائق صفحہ ٢٩)

ایک روز یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین علی بن المدینی اور امام احمدؒ وغیرہ موجود تھے کہ ایک شخص نے آکر ایک مسئلہ دریافت کیا فرمایا کہ اہل علم کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو۔ امیر بن المدینی نے کہا کہ کیا آپ اہل علم نہیں ہیں؟ آپ تو حدیث کے عالم ہیں۔ فرمایا نہیں۔ اہل علم اصحاب ابی حنیفہ ہیں تم تو عطار ہو۔ (موفق صفحہ ٢)

(٩) حافظ عبدالبرؒ کی انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق نقل

کی ہے اور تمام عیوب سے آپ کی تبری ظاہر کی ہے۔ (خیرات حسان)

اور عقود الجواہر المنیفہ ص۲ میں ہے۔

قال ابو عمرو یوسف بن عبد البر الذین رووا عن ابی حنیفۃ ووثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ والذین تکلموا فیہ من اھل الحدیث اکثروا ما عابوا علیہ الاغراق فی الرأی والقیاس وقد مر ان ذالک لیس بعیب

ابو عمرو یوسف ابن عبد البر نے فرمایا جن لوگوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی اور ان کی تعریف و توثیق کی ہے اُن کی تعداد اُن لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے امام صاحب پر کچھ کلام کیا ہے اور جنہوں نے بھی امام صاحب پر زیادہ سے زیادہ اغراق فی الرائے اور قیاس کا الزام لگایا ہے جو عیب نہیں ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

اور یہ بھی خیرات الحسان ص۳۲ میں ہے۔

قال الحافظ ابو عمرو یوسف ابن عبد البر بعد کلام ذکرہ واھل الفقہ لا یلتفتون من طعن علیہ ولا یصدقون بشیء من السوء ینسب الیہ

حافظ ابو عمرو یوسف ابن عبد البر نے امام صاحب کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ فقہاء ان لوگوں کی جانب بالکل التفات نہیں فرماتے جنہوں نے امام صاحب پر کوئی طعن کیا ہے اور امام صاحب کی جانب منسوب کی جانے والی کسی برائی کی تصدیق نہیں کرتے۔

ملاحظہ فرمائیے ابن عبد البر صاف لفظوں میں امام صاحب کی توثیق نقل فرما رہے ہیں اور تمام عیوب سے ان کی تبری ظاہر کرتے ہیں اور حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم و فضلہ میں یحییٰ بن معین

شعبہ اور حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے امام صاحب کی توثیق و تعدیل نقل کر کے وہ عبارت یعنی الذین رووا عن ابی حنیفۃ ووثقوہ الخ لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو مختصر جامع بیان العلم و فضلہ ص۱۹۳۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں۔

(۱۰) عیسیٰ ابن یونس مشہور محدث تھے اور امام صاحب کے حدیث و فقہ میں شاگرد تھے۔ انہوں نے تمام عیوب سے امام صاحبؒ کی براءۃ ظاہر کی ہے۔ مناقب کردری ص۲۲۳ میں ہے۔

قال عیسیٰ ما تکلم فیہ (ای فی ابی حنیفۃ) بسوء ولا تصدق احدا یسیئ القول فیہ وواللہ ما رأیت افضل منہ ولا اورع ونحو ذالک فی الخیرات	عیسیٰ نے فرمایا کسی شخص نے بھی امام ابوحنیفہ کی برائی نہیں کی اور برائی کرنے والے کی تصدیق نہیں کرتے اللہ کی قسم میں نے ان سے افضل اور متقی کسی کو نہیں دیکھا یہی مضمون خیرات الحسان میں ہے

(۱۱) حسن بن صالح صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ امام معین اور امام نسائی نے لکھا ہے کہ حسن بن صالح ثقہ ہیں اور ابوزرعہ نے کہا ہے

اجتمع فیہ حفظ واتقان وفقہ وعبادۃ (خلاصہ ص۷۷)	ان (حسن) میں یہ صفات جمع تھیں حفظ مہارت فی العلم فقہ عبادت

یہ حسن بن صالح امام ابوحنیفہ کو حدیث میں ابن کوفہ کا عارف اور حافظ کہتے ہیں۔ خیرات الحسان ص۳۲ میں ہے۔

وعن الحسن بن صالح انہ	حسن بن صالح سے مروی ہے کہ امام

ابا حنیفۃ کان شدید الاتباع	ابوحنیفہ جمہور کے مسلک کی پیروی میں
لما کان الناس علیہ حافظا	نہایت سخت اور ان کی احادیث کے
لما وصل الی اھل بلدہ	حافظ تھے۔

حسن بن صالح کوفی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ناسخ و منسوخ حدیث کی تلاش میں بہت مصروف رہتے تھے اور اس حدیث پر عمل کرتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ان کو ثابت ہوتی تھی اور اہل کوفہ کی حدیث و فقہ کے صرف عارف ہی نہیں تھے بلکہ اپنے شہر کوفہ کے لوگوں کی معمول بہا احادیث کا نہایت سختی سے اتباع کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ آیات ہیں اسی طرح احادیث میں بھی ناسخ منسوخ ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی کے اعمال کے حافظ تھے۔

(موفق صہ ۸۹)

(۱۲) عبداللہ بن داؤد: آپ نے امام ابوحنیفہؒ کے حفظ سنن و فقہ کی تعریف کی ہے۔ تبییض الصحیفہ صہ ۱۲ اور مناقب موفق صہ ۲۳ میں ہے۔

روی محمد بن سعد الکاتب	محمد بن سعد کاتب نے فرمایا کہ میں نے
قال سمعت عبد اللہ بن	عبداللہ بن داؤد خریبی کو فرماتے ہوئے
داؤد الخریبی یقول یجب	سنا کہ اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ
علی اھل الاسلام ان	اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہؒ کے لئے
یدعوا اللہ لابی حنیفۃ	دعا کریں اور پھر عبداللہ نے آپ کے
فی صلاتھم قال وذکر	حفظ حدیث و فقہ کا ذکر کیا۔

حفظہ علیہم السنن و الفقہ و نحو ذالک فی الخیرات الحسان صـ٣٦

یہی مضمون خیرات الحسان صـ میں بھی ہے۔

فرماتے ہیں جب کوئی آثار یا احادیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان ہیں اور جب آثار یا احادیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ (حدائق حنفیہ)

(۱۳) عبداللہ بن یزید المقری' صحاح ستہ کے راوی ہیں امام بخاری امام احمد اور اسحاق بن راہویہ نے بھی ان سے روایت کی ہے امام نسائی وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ صـ٣٣٦ میں ان کو امام المحدثین شیخ الاسلام لکھا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حدیثہ عال فی القطعیات

انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف کی ہے۔ وہ اپنے تلامذہ کو امام صاحب کی حدیث سننے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ مناقب للموفق ابن احمد صـ٢٣/٢ اور تبییض الصحیفہ صـ٣٢ میں ہے عن عبداللہ ابن یزید قال حدثنا ابو حنیفۃ ثم مروان اور دوسری روایت یہ ہے۔ وکان اذا حدثنا عن ابی حنیفۃ قال حدثنا شاھنشاہ نیز فرماتے تھے جو لوگ امام ابو حنیفہؒ کے فضل و تقدم کو نہیں جانتے وہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔ (الانتصار)

(۱۴) خود امام ابو حنیفہؒ نے اپنے جودت حفظ کی تعریف و توصیف کی ہے۔ موفق ابن احمد کی مناقب امام اعظمؒ صـ٩٥/١ اور سیوطی تبییض الصحیفہ صـ١٣ میں لکھتے ہیں۔

فجلست الی حماد فکنت اسمع مسائله فاحفظها ثم یعیدها من الغد فاحفظها ثم یعیدها من الغد واحفظها ویخطی اصحابه فقال لا یجلس فی صدر الحلقة بحذائی غیر ابی حنیفة فصحبته عشر سنین الخ

میں حضرت حماد کے درس میں بیٹھا اور ان کے بیان کردہ مسائل غور سے سن کر یاد کر لیتا تھا وہ ان کو دوسرے دن دہراتے میں پھر یاد کر لیتا۔ تیسرے دن ان کو دوبارہ بیان کرتے اور میں یاد کر لیتا تھا جبکہ ان کے دوسرے شاگرد غلطیاں کرتے تھے اس لیے انہوں نے فرمایا کہ صدر حلقہ میں میرے سامنے ابوحنیفہ کے سوا کوئی نہ بیٹھا کرے۔ اسی طرح میں ان کی خدمت میں دس سال رہا۔

اور ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان ص۲۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

جلس ابو حنیفة فی حلقة حماد فکان یحفظ جمیع ما یقوله ویخطی اصحابه فاجلسه بحذائه فی صدر الحلقة عشر سنین

حضرت حماد کے درس علم میں امام ابوحنیفہؒ شرکت کرتے اور ان کی ساری تقریر کو یاد کر لیا کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھی غلطی کیا کرتے، چنانچہ حضرت حمادؒ نے امام صاحبؒ کو اپنے سامنے صدر جگہ پر دس سال تک بٹھایا۔

دیکھئے امام ابوحنیفہؒ کی جودت حافظہ نے آپ کے استاد حمادؒ کے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ دس برس تک بجز آپ کے دوسرے شاگرد کو صدر حلقہ میں بیٹھنے کی آپ کے استاد نے اجازت ہی نہیں دی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کس قدر جید الحافظہ تھے۔

(۱۵) حافظ ابو الحجاج جو امام فن رجال ہیں، انھوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ تہذیب الکمال صلا میں لکھتے ہیں۔

قال محمد بن سعید العوفی سمعت یحیی بن معین یقول کان ابوحنیفة ثقة فی الحدیث لا یحدث الا بما یحفظه	محمد بن سعید عوفی نے فرمایا کہ یحیی بن معین فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے صرف اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو ان کو اچھی طرح محفوظ ہوتی تھی۔
وقال صالح بن الاسدی الحافظ سمعت یحیی بن معین یقول ابوحنیفة ثقة فی الحدیث وعنه قال لا باس به وقال مرة کان ابوحنیفة عندنا من اهل الصدق۔	صالح بن الاسدی الحافظ نے فرمایا کہ یحیی بن معین فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں۔ انھوں نے امام صاحب کے لئے کہیں لا باس بہ (ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں) کا لفظ استعمال کیا اور کہیں فرمایا امام ابوحنیفہ ہمارے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں۔

(۱۶) علامہ ذہبی نقاد فن ہیں انھوں نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں۔

نوٹ: کتاب تہذیب الکمال جس کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ ایسی معتبر اور مستند کتاب ہے کہ صاحب کشف الظنون نے صفحہ ۲۳ میں اس کے بارے میں لکھا ہے۔ وهو کتاب کبیر لم یؤلف مثله ولا یظن ان یستطاع

قال صالح بن محمد جزرة وغيره سمعنا يحيى بن معين يقول ابو حنيفة ثقة في الحديث وروى محمد بن سعد عن ابن معين لا باس به

صالح بن محمد نے فرمایا کہ ہم نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں اور محمد بن سعد نے امام صاحب کے بارے میں ابن معین کا قول لا باس به نقل کیا ہے۔

ذہبی نے کاشف میں امام ابو حنیفہ کا طولانی ترجمہ لکھا ہے توثیق و تعدیل کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ایک جملہ بھی تضعیف کا نہیں نقل کیا بلکہ آخر میں اپنی رائے ظاہر کر دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

قلت قد احسن شيخنا ابو الحجاج حيث لم يورد شيئا يلزم منه التضعيف اھ

میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ ابو الحجاج نے بہت ہی اچھا کیا کہ کوئی ایسا جملہ نہیں لکھا جس سے امام صاحب کی تضعیف لازم آتی ہو۔

اور تذکرۃ الحفاظ ص ۱۵۱/۱ میں لکھتے ہیں۔

كان اماما ورعا عالما عاملا متعبدا كبير الشان وروى محمد بن القاسم بن محرز عن يحيى بن معين قال لا باس به

وہ امام متقی عالم باعمل عبادت گذار اور عظیم الشان تھے اور محمد بن قاسم بن محرز نے ان کے حق میں ابن معین کا قول لا باس به نقل کیا ہے۔

(١٧) حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں امام ابوحنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

قال محمد بن سعد سمعت یحیی بن معین یقول کان ابوحنیفہ ثقۃ لا یحدث بالحدیث الا بما یحفظہ

محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث میں ثقہ ہیں، صرف اسی حدیث کو بیان فرماتے تھے جو ان کو اچھی طرح محفوظ ہوتی تھی اور صالح بن محمد اسدی نے امام صاحب کے بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ ہیں۔

وقال صالح بن محمد الاسدی عن ابن معین کان ابوحنیفہ ثقۃ فی الحدیث

نوٹ: تہذیب التہذیب نہایت معتبر کتاب ہے۔ اور تہذیب الکلام کا مختصر اور خلاصہ ہے۔ چنانچہ خود حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعہ ص۳ میں لکھا ہے۔

وکنت قد لخصت تہذیب الکمال وزدت علیہ فوائد کثیرۃ وسمیتہ تہذیب التہذیب وجاء نحو ثلث الاصل ونحو ذالک فی دیباجۃ تہذیب التہذیب ص۳

میں نے تہذیب الکلام کو مختصر کیا اور اس میں بہت سارے فوائد کا اضافہ کیا اور اس کا نام تہذیب التہذیب رکھا، یہ خلاصہ اصل کتاب کے تہائی کے برابر ہو گیا۔ تہذیب التہذیب کے دیباچہ ص۳ میں بھی یہی لکھا ہے۔

(١٨) علامہ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ تہذیب صـ۳۳۵ میں امام صاحب کی توثیق کی ہے انہوں نے لکھا ہے۔

ووثقہ ابن معین وقال	ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور مکی نے
مکی ابو حنیفۃ اعلم	فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے
اھل زمانہ	سب سے بڑے عالم تھے۔

(۹) ابن حجر مکی شافعیؒ انہوں نے بڑے زور سے امام ابوحنیفہؒ کی تعدیل کی ہے۔ چنانچہ خیرات الحسان صـ۳۲ میں ایک مستقل فصل اس طرح منعقد کی ہے۔

الفصل الثانی والثلاثون فی رد ما قیل فیہ من الجرح الخ

اس فصل میں حافظ ابن عبدالبر، یحیی بن معین، علی بن المدینی، شعبہ، حجاج اور تاج الدین سبکی وغیرہم کے اقوال سے امام ابوحنیفہؒ کی بسط کے ساتھ تعدیل کی ہے۔ اور معترضین کے اعتراضات کا نہایت معقول جواب دیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ وہم بھی دور کرنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہؒ علم فقہ کے ماسوا اور دوسرے علوم نہیں جانتے تھے حالانکہ وہ علوم شرعیہ تفسیر، حدیث اور علوم عالیہ ادب، قیاس اور علوم حکمیہ کا ایک سمندر تھے ان کے بعض مخالفین کا قول اس کے خلاف ہے مگر ان کا منشا محض حسد اور اپنی برتری کی خواہش ہے۔

ہمیشہ علماء اور اہل حاجات امام ابوحنیفہؒ کی قبر کی زیارت کرتے اور امام کے مزار کو اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لئے وسیلہ سمجھتے تھے۔ جن میں امام شافعیؒ بھی تھے۔ (خیرات الحسان صـ۹۴)

(۲۰) تاج الدین سبکی نے امام ابوحنیفہؒ کی تعدیل کی ہے۔

چنانچہ طبقات شافعیہ ص ۴۹/۱ میں جرح و تعدیل کے اصول پر ایک نفیس بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وحینئذ لا یلتفت الی کلام الثوری وغیرہ فی ابی حنیفہ الخ

اور اب امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام ثوری وغیرہ کا کلام بالکل قابل التفات نہیں ہے۔

(۲۱) امام ابو یوسف علم حدیث میں امام احمدؒ، علی بن المدینیؒ اور یحییٰ بن معین وغیرہم اکابر محدثین کے استاد ہیں جو امام بخاری وغیرہ محدثین کے شیوخ میں ہیں۔ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کو

ابصر بالحدیث الصحیح

حدیث صحیح کے بہت جاننے والے

کہا ہے۔ خیرات الحسان ص ۳۶ میں ہے وکان ابصر بالحدیث الصحیح۔ فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ تفسیر حدیث کا عالم نہیں دیکھا۔ ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو امام صاحب کے پاس حاضر ہوتے اور امام صاحب خود اس کا حل بیان کر کے ہماری تشفی فرما دیتے تھے۔ (موفق ج ۱ ص)

(۲۲) امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کے مسانید ثلاثہ کے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا جن پر حفاظ حدیث کی تصدیق تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہر حدیث بہترین عدول و ثقات تابعین سے مروی و منقول ہے۔ مثلاً اسود، علقمہ، عطا، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم سے پس امام ابوحنیفہؒ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عادل، ثقہ، عالم اور بہترین بزرگ ہیں جن میں کوئی کاذب اور متہم بالکذب نہیں۔

فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے کسی طرح موزوں نہیں کہ ایسے امام اعظم پر اعتراض کریں جن کی جلالت، قدر علم وورع پر امت کا اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے۔ نیز فرمایا کہ امام صاحب پر اعتراض کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ اکثر تبع تابعین میں سب سے بڑے مرتبہ کے تھے۔ ان کا مذہب سب سے پہلے مدون ہوا۔ اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے

(میزان کبریٰ)

(۲۳) امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کی مدح فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے حضرت امام مالکؒ سے چند شخصیتوں کا حال دریافت کیا اور پھر امام ابوحنیفہؒ کا حال پوچھا تب انھوں نے فرمایا سبحان اللہ وہ عجیب شخص تھے ان کا مثل میں نے نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

امام مالکؒ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ اہل عراق میں سے جو آپ کے یہاں آتے ہیں ان میں افقہ کون ہیں۔ فرمایا کون آتے ہیں۔ کہا گیا۔ ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہؒ۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ تم نے ابوحنیفہ کا نام اخیر میں لیا۔ جب کہ میں نے ان کو دیکھا کہ ہمارے ہاں کے کسی فقیہ سے ان کا مناظرہ ہوا اور تین بار اس فقیہ کو اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا۔ پھر بھی اخیر میں امام صاحب نے فرمایا یہ بھی خطا ہے۔

(موفق)

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ امام مالکؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ سبحان اللہ وہ تو ایسے شخص تھے کہ اگر تم سے کہہ دیتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو پھر اس کو دلیل وحجت سے

ثابت کر دکھاتے۔ (کردری وخیرات وتبییض)

(۲۴) امام شافعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف و توثیق فرمائی ہے۔ علی بن میمون شاگرد امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ مجھ سے امام شافعیؒ نے کہا کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ خیرات حسان میں امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ کوئی عقیل آدمی پیدا نہیں ہوا۔ شامی میں ابن حجر مکی سے بحوالہ ربیع روایت ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا۔ لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں کیونکہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں پایا۔ نیز فرمایا کہ جو شخص ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ تو علم میں متبحر ہوگا اور نہ فقیہ بنے گا۔ (حدائق صـ)

یہ بھی فرمایا کہ ابو حنیفہؒ خاندان فقہ کے مربی اور مورث اعلیٰ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ)

(۲۵) امام احمد بن حنبلؒ امام صاحبؒ کی توصیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ علم و تقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکتا۔ (شامی وخیرات الحسان)

(۲۶) علامہ ابن سیرینؒ مشہور و معروف عابد و زاہد اور علم تعبیر خواب کے زبردست عالم تھے۔ تاریخ ابن خلکان میں خطیب کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ جب امام ابو حنیفہؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھودنے کا خواب دیکھا تب ایک شخص کو امام صاحب نے ابن سیرینؒ کے پاس تعبیر دریافت کرنے کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس خواب کا دیکھنے والا اس حد تک علوم نبوی روشن اور واضح کرے گا

کہ اس سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی ہوگی۔ (مدارک الحنفیہ ص ۲۸)

(۳۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ میں سب سے اعظم تھے یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سب لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں۔ (عقد الجید)

جس طرح امام جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ ابن حجر مکی شافعیؒ وغیرہ بہت سے حضرات علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث

لو کان العلم بالثریا لتناولہ اناس من ابناء فارس

اگر علم ثریا پر ہوتا تو فارس کے بعض لوگ اس کو حاصل کر لیتے۔

(مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۷)

کا اولین مصداق ابو حنیفہؒ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اسی طرح حضرت شاہ صاحب نے بھی اس حدیث کا مصداق امام صاحب ہی کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ان کے مکتوبات میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مقدم نے اس حدیث پر گفتگو کی کہ ایمان اگر ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اہل فارس سے کچھ لوگ یا ان میں کا ایک شخص اس کو ضرور حاصل کر لیتا۔ فقیر (یعنی شاہ صاحب) نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی اشاعت آپ ہی کے ذریعہ سے کرائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعہ مہذب کیا۔ خصوصاً اس اخیر دور میں کہ دولت دین کا سرمایہ یہی مذہب ہے۔ سارے ملکوں اور شہروں میں بادشاہ حنفی ہیں، قاضی حنفی ہیں۔ اکثر درس علوم دینے والے علماء اور اکثر عوام بھی حنفی ہیں۔

(کلمات طیبات یعنی مجموعہ مکاتیب شاہ صاحب وغیرہ مطبوعہ مجتبائی ص ۱۶۵)

علاوہ ازیں صدہا محدثین نے امام ابوحنیفہؒ کی توثیق و تعدیل اور توصیف و منقبت کی ہے۔ ہم بہرحال اختصار کے طور پر ستائیس مقدس علماء کرام کے نام ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان میں توثیق و تعدیل کے کیسے کیسے کلمات محدثین اور نقادوں سے منقول ہیں۔

ثقة ثقة، عدل ثقة، ثقة صدوق، ثقة ما سمعت احدا ضعفه، ثقة لا باس به، ثقة في الحديث، جيد الحفظ، احسن الضبط، احفظ، حافظ، ورع، اصدق بالحديث الصحيح، وثقه ابن معين، عدله ابن مبارك و وكيع، انبل من الكذب، عدل من اهل الصدق، لا باس به، لم يكن يتهم

باوجود اس قدر توثیق و تعدیل کے اگر کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کو مجروح و ضعیف کہے اور ان کی روایت کو قابل احتجاج نہ سمجھے تو اس سے زیادہ متعصب، نفس پرست اور حق پوش اس زمانہ میں اور کون ہوگا۔

فائدہ: اس مقام پر یہ بھی معلوم کر لینا چاہئے کہ تعدیل کے مراتب میں امام ابوحنیفہؒ کی تعدیل کس مرتبے کی ہوگی۔

مقدمہ ابن صلاح صـ۵۵ میں ہے۔

اما الفاظ التعديل فعلى مراتب الاولى قال ابن ابي حاتم اذا قيل للواحد انه

کسی کی تعدیل کے لئے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں (۱) ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے لئے لفظ ثقہ

اما ثقة او متقن فهو ممن يحتج بحديثه

اور متقن استعمال کیا جائے تو اس کی حدیث حجت ہے۔

اور تدریب الراوی صفحہ ۲۳۶ میں ہے۔

اما المرتبة التي زادها الذهبي والعراقي فانها اعلى من هذه وهو ما كرر احد هذه الالفاظ اما بعينه كثقة ثقة او لا كثقة ثبت وثقة حجة وثقة حافظ

علامہ ذہبی اور عراقی نے ان کے علاوہ جو الفاظ بیان فرمائے ہیں وہ اس سے بھی اعلیٰ ہیں وہ یہ کہ کوئی ان الفاظ کو بعینہ مکرر کرے جیسے ثقہ ثقہ، یا ہم معنی لفظ کے ساتھ مکرر ہو جیسے ثقہ ثبت ثقہ حجہ، ثقہ حافظ وغیرہ

فتح المغیث میں ہے۔

قال الخطيب ابوبكر ارفع العبارة في احوال الرواة ان يقال حجة او ثقة

خطیب ابوبکر نے فرمایا کہ راویوں کے بارے میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ان کے لئے حجت یا ثقہ کا استعمال کیا جائے۔

اور علامہ عراقی الفیہ صفحہ ۱۵۶ میں فرماتے ہیں۔

فارفع التعديل ما كررته كثقة ثبت ولو اعدته

سب سے اعلیٰ تعدیل یہ ہے کہ توثیق کے الفاظ کو مکرر بیان کرے جیسے ثقہ ثبت

اور تدریب الراوی صفحہ ۲۳۶ میں ہے۔

المرتبة التي زادها شيخ الاسلام اعلى من مرتبة التكرار وهي الوصف

شیخ الاسلام نے تکرار سے بھی اعلیٰ جو مرتبہ بیان فرمایا ہے وہ اسم تفضیل کا استعمال کرنا ہے جیسے اوثق الناس

یا افعل کا وزن اوثق الناس واثبت	اثبت الناس وغیرہ
الناس او نحوہ	

چونکہ امام ابوحنیفہ کی شان میں تعدیل کے کلمات ہر قسم کے جیسے ثقۃ او ثقۃ ثقۃ وعدل ثقۃ بخوبی اور احفظ صیغہ افعل منقول ہیں اس وجہ سے تمام اقوال کے اعتبارات اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور عادل ثابت ہوتے ہیں اور آپ کی روایت یقیناً جملہ اقوال کے لحاظ سے قابل احتجاج سمجھی جائے گی۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء	یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ امام المحدثین یحییٰ بن معین سے تعدیل کے کلمات مختلف مروی ہے۔ ان میں جملہ لا باس بہ بھی ہے اور یہ خاص اصطلاح ہے ابن معین کی کہ لفظ لا باس سے وہ ثقہ مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ خود ابن معین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

مقدمہ ابن صلاح ص۵۶ میں ہے۔

عن ابی خیثمۃ قال قلت	خیثمہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین
لیحیی بن معین: انک	سے کہا کہ آپ بعض کے لئے کہتے ہیں
تقول فلان لیس بہ	(لیس بہ باس) اور بعض کے لئے ضعیف
باس وفلان ضعیف قال	کا لفظ استعمال فرماتے ہیں اس کا کیا
اذا قلت لک لیس بہ	مطلب ہے۔ فرمایا جس کے لئے میں
باس فھو ثقۃ واذا قلت	لیس بہ باس کہوں سمجھو کہ وہ ثقہ ہے
لک ھو ضعیف فلیس ھو	اور جس کے لئے ضعیف کہوں وہ قابل

خیر ثبت لا تکتب حدیثہ وھکذا فی تدریب الراوی ص ۱۳۶ وفتح المغیث ص ۱۵۹

ثبت نہیں اس کی حدیث نہ لکھو۔ یہی تدریب الراوی اور فتح المغیث میں ہے

امام صاحبؒ پر جرحیں اور ان کا جواب

جن کے اقوال سے حضرت امام صاحبؒ کا ناقص الحافظہ اور ضعیف الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے ان کے نام بالاجمال یہ ہیں۔

ذہبی، نسائی۔ ابن عدی۔ بخاری۔ دار قطنی۔ بیہقی۔ ابن جوزی۔ علی بن المدینی۔ خطیب بغدادی۔ حافظ ابن عبدالبر حافظ ابن حجر۔ امام احمد بن حنبل۔ قاضی ابویحییٰ زکریا بن محمد۔ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی۔ وکیع بن الجراح۔ طاؤس۔ زہری۔ ابواسحاق فزاری۔ امام مسلم۔ ترمذی۔ ہشام بن عروہ۔ ابوداؤد۔ ابوحفص عمر بن علی۔ عبدالروف مناوی۔ جلال الدین سیوطی۔ اولاً اس کا اجمالی جواب ملاحظہ فرمائیے اور پھر اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

اجمالی جواب

محض تعداد بڑھانے کے لئے اتنے نام آدمی جارحین میں لئے جاتے ہیں۔ ورنہ بعض تو ان میں وہ نام ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ کی توثیق اور تعدیل فرمائی ہے۔ جیسے ذہبی۔ علی بن المدینی۔ وکیع بن الجراح حافظ ابن عبدالبر۔ حافظ ابن حجر وغیرہم۔ اور بعض سے سیئ الحافظ اور تضعیف کے الفاظ معتبر طریقہ پر منقول ہی نہیں ہیں جیسے مسلم۔

ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ۔ طاؤس۔ زہری۔ امام احمد، ابو اسحاق۔ ابن قطان۔ جلال الدین سیوطی۔ شاہ ولی اللہ وغیرہم۔ اور بعض سے کچھ الفاظ جرح منقول ہیں۔ جیسے ابن عدی۔ نسائی۔ بخاری۔ دارقطنی۔ ابن الجوزی اور بیہقی وغیرہم۔ مگر بقاعدہ اصول ان لوگوں کی جرحیں امام اعظم ابوحنیفہ رح کی شان میں غیر مقبول ہیں۔ چنانچہ ہمارے تفصیلی جواب سے ہمارے اس دعوے کا ثبوت مل جائے گا۔

تفصیلی جواب کی تمہید

قبل اس کے کہ تفصیلی جواب لکھا جائے بطور تمہید کے چند مقدمات جرح و تعدیل کے متعلق لکھدینا ضروری ہیں تاکہ حقیقت حال کے انکشاف میں کسی قسم کی پیچیدگی باقی نہ رہے۔

جرح و تعدیل سے متعلق تمہیدی مقدمات

(۱) جس راوی میں جرح و تعدیل دونوں جمع ہوں تو اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) جرح و تعدیل دونوں مبہم ہوں۔

(۲) جرح مبہم اور تعدیل مفسر

ان دونوں صورتوں میں بمذہب صحیح تعدیل مقدم ہو گی اور جرح نامقبول۔

قال السخاوی فی شرح الالفیہ: ینبغی تقیید الحکم بتقدیم الجرح علی التعدیل بما اذا فسر اما اذا تعارضا من غیر تفسیر فانہ یقدم التعدیل قالہ المزی وغیرہ

علامہ سخاوی نے شرح الفیہ میں فرمایا ہے کہ جرح کے تعدیل پر مقدم ہونے کا حکم لگانا تب ہی مناسب ہے جبکہ جرح مفسر ہو اور اگر بغیر تفسیر کے تعارض ہو تو تعدیل جرح پر مقدم ہو گی۔ مزی وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

وقال النووی فی شرح مسلم: لا یقال الجرح مقدم علی التعدیل لان ذالک فیما اذا کان الجرح ثابتاً مفسراً بسببہ والا فلا یقبل الجرح اذا لم یکن کذا

اور امام نووی نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جرح تعدیل پر مطلق مقدم ہوتی ہے اس لئے کہ ایسا تب ہی ہوتا ہے جبکہ جرح ثابت اور مفسر ہو ورنہ جرح قابل قبول نہیں۔

وقال ابن الہمام فی تحریر الاصول: اکثر الفقہاء منہم الحنفیۃ والمحدثین علی انہ لا یقبل الجرح الا مبیناً لا التعدیل الخ

علامہ ابن ہمام نے تحریر الاصول میں فرمایا ہے کہ اکثر فقہاء جن میں احناف و محدثین بھی شامل ہیں کے نزدیک جرح جب تک مشرح واضح نہ ہو قابل قبول نہیں برخلاف تعدیل کے۔

اور ایسا ہی بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔ دیکھو تدریب الراوی۔ شرح تحریر سندھی اور معیار الحق مولوی نذیر حسین دہلوی

و مبہم

۴۔ جرح و تعدیل دونوں مفسر ہوں۔

۵۔ جرح مفسر ہو اور تعدیل مبہم

ان دونوں صورتوں میں جرح مقدم ہوگی اور تعدیل غیر مقبول۔

قال السیوطی فی تدریب الراوی ص۲۰۳ اذا اجتمع فیہ جرح مفسر و تعدیل فالجرح مقدم الخ و قال السخاوی فی شرح الفیہ ینبغی تقیید الحکم بتقدیم الجرح علی التعدیل بما اذا فسر الخ و نحو ذالک فی شرح النخبہ۔

(۳) جارح کے لئے چند شرطیں ہیں، اگر یہ شرط پائی جائیں تو اس کی جرح مقبول ورنہ غیر مقبول ہوگی۔

الف۔ جارح عادل و ثقہ ہو۔

ب۔ جرح و تعدیل کے اسباب کا عارف ہو۔

ج۔ متعنت اور متشدد نہ ہو۔

د۔ مذہبی منافرت، دنیوی عداوت، حسد اور معاصرہ سے خالی ہو۔

قال الذہبی فی تذکرۃ الحفاظ ص۴ ولا سبیل الی ان یصیر العارف الذی یزکی نقلۃ الاخبار و یجرحہم جہبذا الا بادمان الطلب والفحص

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا کہ وہ عارف جو رواۃ احادیث کی تعدیل و تجریح کرتا ہے وہ پیہم طلب و جستجو کثرت بحث، شب بیداری، دانائی اور زیرکی کے ساتھ ساتھ تقویٰ یعنی انتہائی انصاف پسندی، عادل کی فرق [illegible]

عن هذا الشأن وكثرة
المذاكرة والسهر والتيقظ
والفهم مع التقوى والدين
المتين والانصاف والتودد
الى العلماء والتحري و
الاتقان والا تفعل فدع
عنك الكتابة فلست منهم
ولو سودت وجهك با
المداد قال الله تعالى
فاسئلوا اهل الذكر ان
كنتم لا تعلمون

محرر فکر اور اتقان کے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا
اور اگر تو ایسا نہیں ہے (اور ایسا نہیں کر سکتا)
تو کتابت حدیث کو چھوڑ دے تو
ان میں سے نہیں ہے
یا ہے حرص میں اپنے چہرہ کو روشنائی
سے سیاہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ اہل علم سے معلوم کرو اگر
تم نہیں جانتے

وان غلب عليك الهوى
والعصبية لرأي والمذهب
بالله لا تتعب وان عرفت
انهم مخلطون لحدود الله
فأرحنا منك

اور اگر تجھ پر رائے اور مذہب کے
سلسلہ میں خواہش نفس اور عصبیت
(ہٹ دھرمی) کا غلبہ ہو جائے تو خدارا
ہم سے اتفاق نہیں کریں گے اور اگر یہ
معلوم ہو جائے کہ احکام الٰہی کے معاملہ
میں محدود نہیں ہے پھر تو ہم تجھ سے الگ
بیزار ہیں

وقال الحافظ ابن حجر في
شرح النخبة ص٢٣ وان
صدر الجرح من غير عارف
باسبابه لم يعتبر به الا
وايضاً قال تقبل التزكية

حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ ص۲۳ میں فرمایا کہ
اگر جرح ایسے شخص سے صادر ہو جو اس کے
اسباب سے واقف نہیں تو اس کا

من عارف بأسبابها ومن غير عارف وينبغي أن لا يقبل الجرح إلا من عدل متيقظ

کوئی اعتبار نہیں۔ نیز فرمایا کہ تعدیل اس کی قبول کی جائے گی جو اس کے اسباب سے واقف ہو اور جرح بھی صرف منصف اور بیدار مغز کی قبول کرنا مناسب ہے نہ کہ ہر کس و ناکس کی۔

وقال الحافظ في مقدمة فتح الباري ص ۳۸۲ القسم الثاني في من ضعف بأمر مردود كالتحامل أو التعنت أو عدم الاعتماد على المضعف لكونه من غير أهل النقد أو لكونه قليل الخبرة بحديث من تكلم فيه أو بحاله أو لتأخر عصره ونحو ذلك الخ

حافظ نے مقدمہ فتح الباری ص ۳۸۲ پر فرمایا ہے قسم ثانی اس شخص کے بیان میں ہے جس کو ناقابل قبول وجوہ سے ضعیف قرار دیا ہو۔ التضعیف کسی امر مردود کے سبب کی ہو مثلاً تعصب و تعنت (جانبداری) یا مضعف پر عدم اعتماد (کہ وہ قابل قبول نہیں) اس لئے کہ وہ تنقید کا اہل نہیں ہے اور جس پر تنقید کی ہے اس سے یا اس کے حالات سے بہت کم واقف ہے یا اس کے زمانے کے بعد کا ہے وغیرہ۔

وأيضاً قال في ص ۳۸۳ واعلم أنه قد وقع من جماعة الطعن في جماعة بسبب اختلافهم في العقائد فينبغي التنبه لذلك وعدم الاعتداد به إلا بحق وكذا عاب جماعة من

نیز فرمایا یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ ایک جماعت نے دوسری جماعت پر اکثر اختلاف عقائد کی بنا پر طعن کیا ہے اس سے باخبر رہنا چاہیے اور حقیقی وجوہ کے بغیر اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح بہت سے بزرگوں کی ایک جماعت نے

المتورعين جماعة وخلوا في امر الدين فضعفوهم لذلك التضعيف مع الصدق والضبط فالامر الموقوف و ابعد من ذلك كله من الاعتبار تضعيف من ضعف بعض الرواة بامر يكون الحمل فيه على غيره او التحامل بين الاقران وابعد من ذلك تضعيف من هو اوثق منه، و اعلى قدراً او اعرف بالحديث فكل هذا لا يعتبر به

وقال الذهبي في الميزان ج۱ ص۳۴ قلت كلام الاقران بعضهم في بعض لا يعبأ به لا سيما اذا لاح انه لعداوة او لمذهب او لحسد ما ينجو منه الا من عصمه الله وما علمت ان عصرا من الاعصار سلم اهله

اس جماعت پر عیب لگایا جنھوں نے دینی معاملات میں تشدد کیا، اور اسی وجہ سے انھوں نے صدق و ضبط کے باوجود ان کو ضعیف قرار دیا۔

اور ان سب سے زیادہ ناقابل اعتبار ان کی تضعیف ہے جنھوں نے بعض راویوں کو باہمی چشمک اور تعصب کی بنا پر ضعیف قرار دیا

اور اس سے بھی زیادہ ناقابل قبول ان کی تضعیف ہے جو اپنے سے زیادہ ثقہ بلند مرتبہ اور عارف بالحدیث و محدث کے بڑے عالم پر تنقید کرتے ہیں سب کچھ ناقابل اعتبار ہے۔

علامہ ذہبی نے میزان جلد ۱ ص۳۴ پر فرمایا ہم عصر لوگوں کی ایک دوسرے پر تنقید معتبر نہیں، خصوصاً جبکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ یہ تنقید دشمنی اور حسد کی بنیاد پر ہے۔ اس سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ بچائے۔ میرا خیال ہے کہ انبیاء و صدیقین کے علاوہ کسی زمانہ کے لوگ اس سے محفوظ نہیں رہے

من ذلك سوى الانبياء و الصديقين

وقال السبكي في طبقات الشافعية ج ۱ ص ۱۹۰ قد عرفناك ان الجارح لا يقبل منه الجرح وان فسره في حق من غلبت طاعته على معصيته ومادحوه على ذاميه ومزكوه على جارحيه اذا كانت هناك قرينة يشهد العقل بان مثلها حامل على ما فيه من تعصب مذهبي او منافسة دنيوية كما يكون بين النظراء وغير ذلك الخ

ونحو ذلك كثير في التوضيح والتحقيق في شرح الحسامي وسير اعلام النبلاء للذهبي وغيرها۔

علامہ سبکی نے طبقات الشافعیہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ پر فرمایا ہے کہ کسی ایسے جارح کی جرح اگرچہ مفسر ہو اس شخص کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں اور اس کی تعریف و توثیق کرنے والے جرح و برائی کرنے والوں سے زیادہ ہوں جبکہ وہاں کوئی ایسا قرینہ ہو کہ اس کا باعث مذہبی تعصب یا دنیوی منافست و مقابلہ ہے۔

جیسا کہ اکثر ہم عصر لوگوں میں ہوتا ہے۔

التوضیح والتحقیق فی شرح الحسامی اور ذہبی کی سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں بہت کچھ تفصیل ہے۔

(۴) الفاظ ذیل بغیر سبب کے جرح مبہم میں داخل ہیں۔

فلان متروک الحدیث، ذاهب الحدیث۔ مجروح۔

ليس بعدل ۔ سيئ الحفظ ۔ ضعيف ۔ ليس بالحافظ ۔ ونحو ذلك ۔

کشف الاسرار شرح اصول بزدوی میں ہے۔

اما الطعن من ائمة الحديث فلا يقبل مجملا اي مبهما بان يقول هذا الحديث غير ثابت او منكر او فلان متروك الحديث او ذاهب الحديث او مجروح او ليس بعدل من غير ان يذكر سبب الطعن وهو مذهب عامة الفقهاء والمحدثين

رہا ائمہ حدیث کا طعن تو وہ مجمل یعنی مبہم ہونے کی صورت میں ہرگز قابل قبول نہیں۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے یا فلاں شخص متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا مجروح ہے۔ عادل نہیں ہے۔ اسباب طعن ذکر کئے بغیر یہ عام فقہا اور محدثین کا بھی مسلک ہے۔

اور کمال الدین جعفر شافعی اذا ع باحکام الشارع میں لکھتے ہیں۔

ومن ذلك قولهم فلان ضعيف ولا يبينون وجه الضعف فهو جرح مطلق وفيه خلاف والتفصيل ذكرناه في الاصول والاولى ان لا يقبل من متأخر المحدثين

اسی طرح ضعف کی وجہ بیان کئے بغیر یہ کہنا کہ فلاں ضعیف ہے جرح مطلق کہلاتا ہے۔

اس میں اختلاف ہے اور اس کی تفصیل ہم نے اصول میں بیان کی ہے۔

اور مناسب یہ ہے کہ متاخرین محدثین کی جرح قبول نہ کی جائے کیونکہ وہ

لا تقصد بهذه العبارة بها لا يكون جرحا ومن ذلك فلان سيء الحفظ او ليس بحافظ لا يكون جرحا مطلقا بل يتفاوت حال المحدثين والحديث الخ

جس طرح جرح کرتے ہیں حفظ کی جرح ہی نہیں ہوتی جیسا کہ یوں کہ فلاں کا حافظہ خراب ہے یا فلاں حافظ نہیں ہے، یہ مطلق جرح نہیں ہے بلکہ اس صورت میں محدث و حدیث کے حالات کی تحقیق کی جائے گی۔

جرح و تعدیل کے مقدمات معلوم ہو چکے اب آپ تفصیلی جواب ملاحظہ فرمائیے جس سے معترضین کی نفسانیت اور غلط فہمی بخوبی واضح ہو جائے گی۔

تفصیلی جواب

(۱) علامہ ذہبیؒ نے ہرگز امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف نہیں کی بلکہ تذکرۃ الحفاظ اور تقریب میں نہایت وضاحت کے ساتھ آپ کی توثیق اور تعدیل کی ہے۔ کما مر سابقا۔

(۲) میزان الاعتدال کی یہ عبارت صفحہ ۳۳۵ ج ۳ جو معترضین نقل کرتے ہیں۔

ضعفه النسائي من جهة حفظه وابن عدي وغيره.

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت میزان الاعتدال کے صحیح نسخوں میں نہیں ہے۔ غلطی سے کسی نے الحاق کر دی ہے کیونکہ حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں اور سیوطی نے تدریب الراوی میں اور سخاوی نے فتح المغیث میں تصریح کر دی ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں صحابہ اور

ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں کیا ہے۔

قال السخاوی وصرح الذہبی بانہ تبع ابن عدی فی ایراد کل من تکلم فیہ ولو کان ثقۃ لکنہ التزم انہ لا یذکر احدا من الصحابۃ والائمۃ المتبوعین

علامہ سخاوی فرماتے ہیں ذہبی نے بتصریح کہا ہے اگرچہ وہ ثقہ ہو اسکا ذکر کرنے میں ابن عدی کا اتباع کیا ہے لیکن التزام کیا ہے صحابہ اور آئمہ متبوعین میں سے کسی کا قصداً ذکر نہیں کیا۔

بلکہ خود علامہ ذہبی نے میزان کے دیباچہ میں اس کی تصریح کر دی ہے۔

وکذا لا اذکر فی کتابی من الائمۃ المتبوعین فی الفروع احداً لجلالتہم فی الاسلام وعظمتہم فی النفوس مثل ابی حنیفۃ والشافعی والبخاری

اور اسی طرح نہیں ذکر کیا میں نے اپنی کتاب میں ان ائمہ کا جن کی اتباع فروعات میں کی جاتی ہے۔ اسلام میں ان کی بزرگی اور دلوں میں عظمت کی وجہ سے مثلاً امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام بخاری۔

جبکہ علماء ثقات ائمہ متبوعین کے عدم ذکر کی تصریح کر رہے ہیں تو پھر اس عبارت کے الحاقیہ ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال کے مقدمے میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

فان ذکرت احداً منہم فاذکرہ علی الانصاف و

اور اگر ان میں سے کسی کا میں تذکرہ کروں گا تو انصاف کے ساتھ کروں گا

ما يضره ذالك عند الله و عند الناس	جو عند الله اور عند الناس مضر نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی نے صحابہ اور ائمہ متبوعین کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ذہبی کی اس عبارت سے فقط ذکر کا احتمال پیدا ہوتا ہے مگر حافظ عراقی۔ جلال الدین سیوطی اور سخاوی جو ذہبی سے متاخر ہیں اور ان حضرات نے بار بار میزان الاعتدال کا مطالعہ کیا ہے اور وہ صاف اور واضح لفظوں میں عدم ذکر کی تصریح کرتے ہیں۔ تو کہنا پڑے گا کہ فی الواقع صحابہ کرام اور ائمہ متبوعین کا ذکر اس کتاب میں مستقلاً نہیں ہے یا یوں کہا جائے کہ ذہبی نے ذکر استقلال کی نفی کی ہے اور ضمنی ذکر کا اثبات اور امام اعظم کی جرح کے متعلق علامہ ذہبی کی طرف جو عبارت منسوب کی جاتی ہے اس کی حیثیت مستقل عبارت کی ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ عبارت الحاقیہ ہے اس موقع پر بعض معترضین میزان الاعتدال کی عبارت ذیل کو پیش کر کے امام صاحبؒ کی تضعیف کرتے ہیں۔

اسمعیل بن حماد بن نعمان	اسمعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت
بن ثابت الکوفی عن ابیه	کوفی اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے
عن جده قال ابن عدی	روایت کرتے ہیں ابن عدی نے کہا
ثلاثتهم الضعفاء	یہ تینوں ضعیف ہیں۔

میزان الاعتدال ص ۹

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب علامہ ذہبی کے نزدیک ضعیف ہیں کیونکہ علامہ

ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں خود معذرت کی ہے اور ابن عدی کی موافقت سے اپنی براءت ظاہر فرمائی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

وفيه من تكلم مع ثقته وجلالته بادنى لين و باقل تجريح فلولا ابن عدي او غيره من مؤلفي كتب الجرح ذكروا ذلك الشخص لما ذكرته لثقته ثم قال لا اني ذكرته لضعف فيه عندي الخ	اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن کے بارے میں باوجود ان کی ثقاہت اور جلالت کے معمولی نرمی کی یا جرح کی گئی ہے۔ اگر ابن عدی یا دوسرے مؤلفین کتب جرح نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا میں بھی ان کی ثقاہت کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کرتا۔ پھر آگے فرمایا کہ میں نے ان کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک ضعیف راوی ہیں

جبکہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ اور تقریب میں امام ابوحنیفہ رح کی تعدیل بخوبی فرما دی ہے پھر باوجود اس صراحت کے ذہبی کی طرف تضعیف کا انتساب سراسر ناانصافی اور حق پوشی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ امام ذہبی نے امام ابوحنیفہ رح کا ذکر باب الالف میں کر دیا ہے لہٰذا یہ دعویٰ کہ میزان میں ائمہ کا ذکر نہیں ہے غلط ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ضمناً ذکر ہے نہ کہ مستقلاً اور ضمنی ذکر کی نفی نہیں کی ہے۔ ضمناً تو جا بجا میزان میں امام بخاری کا ذکر بھی آگیا ہے۔ چنانچہ اسی میزان میں ہے ابوزرعہ اور ابوحاتم نے بخاری سے روایت چھوڑ دی ہے۔

(۳) نسائی، کتاب الضعفاء مطبوعہ الہ آباد ص۲۲ میں ہے۔

وابو حنيفة ليس بالقوى في الحديث

(ترجمہ) ابوحنیفہ حدیث میں قوی نہیں

امام نسائی سے اس جرح کے ناقل حسن بن رشیق ہیں۔ دیکھا فی کتاب الضعفاء مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۵۲) حسن بن رشیق ان لوگوں میں ہیں کہ جن پر حافظ عبدالغنی اور دارقطنی نے جرح کی ہے صفحہ ۳۔ لہذا حسب قاعدہ حسن بن رشیق خود مجروح ہوئے اور مجروح کی روایت قابل اعتبار نہیں ہو سکتی تو ان کی روایت سے امام ابوحنیفہ کو مجروح ٹھہرانا غلط اور لغو ہے۔

ثانیاً امام نسائی ان متعنتین اور متشددین میں سے ہیں جنہوں نے بخاری و مسلم کے بہت سے راویوں پر محض تعنت سے جرح کر دی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

احمد بن صالح المصري تحامل عليه النسائي. الحسن بن الصباح البزار تعنت فيه النسائي. حبيب المعلم متفق على توثيقه لكن تعنت فيه النسائي. محمد بن بكر البرساني لينه النسائي بلا حجة. نعيم بن حماد ضعفه النسائي بلا حجة.

احمد بن صالح مصری۔ حسن بن صباح البزار، حبیب المعلم، محمد بن ابی بکر برسانی وغیرہم ان کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے، نعیم بن حماد سب قابل اعتبار ہیں لیکن امام نسائی نے ان سب کی بلا دلیل تضعیف کی ہے۔

یہ پانچوں راوی ایسے معتبر اور ثقہ ہیں کہ امام بخاری نے اپنی جامع میں ان سے روایت کی ہے۔ مگر امام نسائی نے بوجہ تعنت کے ان کی بھی تضعیف کر دی ہے۔

اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بذیل ترجمہ حارث بن حصیرہ لکھا ہے۔

حدیث الحارث فی سنن الاربعة والنسائی مع تعنته فی الرجال فقد احتج به النسائی مع تعنته	حارث کی حدیث سنن اربعہ اور نسائی سب میں موجود ہے باوجودیکہ امام نسائی رواۃ کے معاملہ میں بہت متعنت (سخت گیر) ہیں مگر ان کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

اور سیوطی نے زہر الربی علی المجتبیٰ میں لکھا ہے۔

فکم من رجل اخرج له ابو داؤد والترمذی و تجنب النسائی اخراج حدیثه بل تجنب اخراج حدیث جماعة من رجال الصحیح اھ	کتنے ہی ایسے حضرات ہیں جن سے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت نقل کی ہے لیکن امام نسائی نے اجتناب کیا ہے بلکہ اور بہت سے صحیح (بخاری) کے راویوں سے نسائی نے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کیا ہے۔

جبکہ حسب تصریح ابن حجر و سیوطی وغیرہم امام نسائی متشددین میں سے ہیں تو ان کی جرح ایسے امام کے حق میں جس کا ثقہ اور حجت ہونا بڑے بڑے ثقات و نقادوں کے بیان سے ثابت ہے کس طرح مقبول ہو سکتی ہے۔

ثالثاً: جو کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم کی گئی ہے یعنی

صحیح بخاری: اس کے بعض رواۃ پر بھی کثیر الغلط والخطاء کی قسم کی جرحیں منقول ہیں مگر امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے چنانچہ مقدمہ فتح الباری میں ہے۔

قبیصہ بن عقبہ قال احمد ابن حنبل کان کثیر الغلط و کان ثقۃ لا بأس بہ۔

قبیصہ بن عقبہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ وہ بہت غلطی کرنے والا تھا پھر بھی ثقہ تھا۔

وضاح بن عبد اللہ قال ابو حاتم کان یغلط کثیرا

ابو حاتم نے وضاح بن عبد اللہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بہت غلطی کیا کرتا تھا

جریر بن حازم قال امام احمد بن حنبل کثیر الغلط و قال الاثرم عن احمد حدث بمصر احادیث وھم فیھا ولم یکن یحفظ

جریر بن حازم کے لئے امام احمد بن حنبل نے فرمایا وہ بہت غلطی کرنے والا تھا۔ اور اثرم نے احمد سے روایت کی کہ اس نے مصر میں ایسی احادیث بیان کیں جن میں اس کو وہم ہوا اور اچھی طرح یاد نہیں تھیں۔

سلیمان بن حیان عن ابی داؤد انہ من سوء حفظہ فیغلط ویخطی

سلیمان بن حیان کے بارے میں ابو داؤد کہتے ہیں کہ حافظہ کی کمزوری کے باوجود انھوں نے روایت کی اس لئے ان سے غلطی ہوئی۔

عبد العزیز بن جریج قال ابو حنیفہ سیٔ الحفظ ربما حدث من حفظہ السیٔ فیخطی

عبد العزیز بن جریج کے متعلق ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ان کا حافظہ خراب تھا اور اکثر اسی خراب حافظے کی بنا پر حدیث بیان کرتے چنانچہ غلطی کرتے تھے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے رواۃ ہیں جن سے بخاری نے روایت کی ہے اگر کسی کے کثیر الغلط کہہ دینے سے ثقہ و صدوق راوی ضعیف اور قابل ترک ہو جاتا ہے تو پھر صحیح بخاری بجائے اصح الکتب ہونے کے اضعف الکتب ٹھہرے گی۔

رابعاً۔ ابو عبد الرحمن نسائی نے سنن النسائی المجتبیٰ کو سنن کبریٰ سے منتخب کر کے مرتب کیا ہے اور خود اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اس کی کل حدیثیں صحیح ہیں۔ چنانچہ سیوطی اپنی کتاب زہر الربیٰ میں لکھتے ہیں۔

قال محمد بن معاویۃ الاحمر الراوی عن النسائیؒ، قال النسائیؒ کتاب السنن کلہ صحیح وبعضہ معلول الا انہ لم یبین علتہ والمنتخب المسمی بالمجتبیٰ صحیح کلہ وذکر بعضھم ان النسائیؒ لما صنف السنن الکبریٰ اھداہ الی الامیر فقال لہ الامیر اکل ما فیھا صحیح قال لا قال فجرد الصحیح منہ فصنف لہ المجتبیٰ

نسائی کے راوی محمد بن معاویہ فرماتے ہیں امام نسائی نے فرمایا کہ کتاب السنن ساری صحیح ہے صرف اس کا کچھ حصہ معلول ہے مگر اس کی علت بیان نہیں کی اور منتخب جس کا نام مجتبیٰ ہے وہ سب صحیح ہے بعض حضرات نے کہا کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تصنیف کی تو امیر کو تحفہ پیش فرمائی امیر نے معلوم کیا اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں؟ امام نسائی نے فرمایا نہیں۔ امیر نے کہا اس میں سے صحیح احادیث منتخب کر دیجئے۔ چنانچہ اس کے بعد مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔

اور نسائی کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی مثلاً ابن مندہ ابن عدی، دارقطنی اور خطیب وغیرہم نے بھی مجتبیٰ کو صحیح قرار دیا ہے۔

میزان اور فتح المغیث میں اس کی تصریح موجود ہے اور سنن نسائی میں امام ابوحنیفہ کی روایت موجود ہے۔

تہذیب التہذیب میں ہے۔

وفی کتاب النسائی حدیثہ عن عاصم عن ابن عباس قال لیس علی اتی البہیمۃ حد اھ	اور نسائی میں ان کی روایت عاصم سے ان کی ابن عباس رض سے کہ فرمایا بہیمہ سے جماع کرنے والے پر حد نہیں ہے۔

اور تقریب و خلاصہ تذہیب میں نعمان بن ثابت کے نام پر (تم ت س) علامت مرقوم ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ شمائل ترمذی و جزء القرأۃ للبخاری اور نسائی کے راوی ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر واقعی نسائی کے نزدیک امام ابوحنیفہ غیر قوی کثیر الغلط والخطاء تھے تو نسائی نے ان سے کیوں روایت کی اور اپنی کتاب کو صحیح کلمہ کیوں کہا۔ پس حسب خیال معترض نسائی کے دونوں قولوں میں تعارض و تہافت ہے۔

مگر ہم معترض کو دو توجیہ ایسی بتلاتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح پر حرف آئے گا اور نہ حضرت امام نسائی رح پر۔

ممکن ہے کہ امام نسائی نے پہلے امام ابوحنیفہ رح کو غیر قوی خیال کیا ہو مگر بعد تتبع و تحقیق کے معلوم ہوا ہو کہ امام ابوحنیفہ رح ثقہ ہیں اور پہلے خیال سے رجوع کر لیا ہو یا یوں کہا جائے

لیس بالقوی فی الحدیث ای علی شرط النسائی وھو	حدیث میں قوی نہیں تھے یعنی نسائی رح کی شرط کے مطابق۔

كثير الغلط والخطاء اي في فهم المعنى

اور وہ بہت غلطی کرنے والے تھے یعنی معنی کے سمجھنے میں

چونکہ رواۃ کے باب میں نسائی کی شرطیں بہت کڑی ہیں اپنی شروط اور اصطلاح کے اعتبار سے لیس بالقوی کہہ دیا ہے۔ چنانچہ زہر الربی صفحہ ۳ میں ہے۔

بل تجنب النسائي اخراج حديث جماعة من رجال الصحيحين

بلکہ امام نسائی نے صحیحین کے راویوں کی ایک جماعت سے روایت کرنے میں احتراز کیا۔

وحكى ابو الفضل بن طاهر قال سعد بن علي الزنجاني عن رجل هو ثقة فقلت ان النسائي لم يحتج به فقال يا بني ان لابي عبد الرحمن شرطا في الرجال اشد من شرط البخاري والمسلم

ابوالفضل نے طاہر سے نقل کیا کہ سعد ابن علی زنجانی نے ایک شخص کے بارے میں کہا کہ وہ ثقہ ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ حضرت نسائی نے ان کو قابل حجت نہیں قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا اے صاحبزادے رجال کے بارے میں ابوعبدالرحمٰن کی شرط بخاری ومسلم سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اور چونکہ حافظ نسائی محدث شافعی تھے۔ غوامض فقہ کی جانب امام ابوحنیفہؒ کی طرح ان کی توجہ نہ رہی ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے بعض مسائل مستنبط کو اپنے ظاہر فہم کے خلاف سمجھا ہوگا اور یہ بھی ایسا ہی اکثر محدثین کا حال تھا۔ اپنے ظن کے اعتبار سے کہہ دیا ہوگا۔

كثير الغلط والخطاء اي في فهم المعنى۔ ہماری اس توجیہ سے

امام صاحب کا سئی الحافظ ہونا ثابت ہوتا ہے اور نسائی کے اقوال میں تعارض باقی رہتا ہے۔ اگر معترض محض ضد سے ان توجیہات کو نہ مانے تو پھر امام نسائی کو کثیر الغلط والخطا کہنا پڑے گا۔ اس لئے کہ کثیر الغلط والخطا سے روایت کرکے اسے صحیح بتلانا جید الحافظ کا کام نہیں۔ کیا معترض کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ امام نسائی رہ کو کثیر الغلط والخطا و سئی الحافظہ کا خطاب دے۔

(۳) ابن عدی۔ میزان الاعتدال میں ہے۔ ثلثهم الضعفاء یعنی اسماعیل، حماد اور ابوحنیفہ تینوں ضعیف ہیں۔

اقول اولاً۔ ابن عدی کی جرح قابل وثوق نہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے بہت سے قابل وثوق اور ثقات کو بھی اپنی کامل میں مجروح بتا دیا ہے۔ ذہبی میزان کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وفیه من تکلم فیه مع ثقته وجلالته بادنی لین وباقل تجریح فلولا ابن عدی وغیره من مؤلفی کتب الجرح ذکروا ذلك الشخص لما ذکرته لثقته اھ

اس کتاب (کامل) میں ان راویوں کا بھی ذکر ہے جن پر ان کی ثقاہت وجلالت کے معمولی کمزوری کی بنا پر جرح کی گئی ہے اگر ابن عدی یا دوسرے مؤلفین کتب جرح نے ان کا ذکر کیا ہوتا تو میں بھی (ان کی ثقاہت کی وجہ سے) ہرگز ان کا ذکر نہ کرتا۔

اور میزان کے اخیر میں لکھتے ہیں۔

فاصله وموضوعه فی الضعفاء وفیه خلق من

ابن عدی کی کتاب کامل کا اصل موضوع ضعفاء ہے۔ اگرچہ اس میں بہت سے

الثقات ذكرتهم للذب عنهم ولان الكلام غير مؤثر فيهم ضعفا	ثقات کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ ان کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ جو ان کی طرف منسوب ضعف کو دور کر دوں یا یہ بتاؤں کہ ان کے بارے میں ضعف کی بات غیر موثر ہے۔

اور جعفر بن ایاس کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

اورده ابن عدي في كامله فاساء	ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کر کے غلطی کی

اور حماد بن سلیمان کے ترجمہ میں تحریر ہے

تكلم فيه للارجاء ولولا ذكر ابن عدي له لما ذكرته	ان کے بارے میں ارجاء کی وجہ سے کلام کیا ہے لیکن اگر ابن عدی نے ان کا ذکر کیا ہوتا تو میں بھی ہرگز ذکر نہ کرتا۔

اور حمید بن ہلال کے ترجمہ میں ہے۔

وهو في كامل ابن عدي مذكور فلهذا ذكرته و الا فالرجل حجة	چونکہ ابن عدی کی کامل میں ان کا تذکرہ ہے، اس لئے میں نے بھی ذکر کیا ورنہ وہ حجت ہیں۔

اور اشعث بن عبد الملک کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

قلت انما اوردته لذكر ابن عدي له في كامله	میں نے ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

اور اسی مضمون کی بہت سی عبارتیں میزان میں موجود ہیں۔

زین الدین عراقی نے شرح الفیہ میں لکھا ہے۔

وكذا رأى ابن عدي ذكر	یعنی ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں

في كتابه الكامل من تكلم فيه وان كان ثقة

ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا ہے. اگرچہ وہ ثقہ ہو.

اور سخاوی نے فتح المغیث میں لکھا ہے.

ولكنه توسع لذكره كل من تكلم فيه وان كان ثقة وللذا لا يحسن ان يقال الكامل للناقصين الخ

لیکن ابن عدی نے اپنے کلام کو وسعت دے کر ہر متکلم فیہ کا تذکرہ کیا اگرچہ وہ ثقہ ہو. اسی لیے یہ کہنا درست نہیں کہ کامل میں صرف ناقصین کا تذکرہ ہے.

بلکہ ابن عدیؒ نے بہت سے رجال بخاری میں بھی کلام کیا ہے. الاں جملۃ ثابت ابن محمد العابد وسلیمان بن حیان و حسان بن ابراھیم وغیرھم ہیں. کما فی مقدمہ فتح الباری پس ابن عدی جیسے متوسع کی جرح ایسے امام اعظم کے حق میں جن کو بھی، شعبہ. وکیع اور علی بن المدینی وغیرہم ثقہ وصدوق اور جید الحافظ کہہ رہے ہوں کیونکر مقبول ہو سکتی ہے.

ثانیاً ابن عدی کی جرح مبہم ہے اور حسب قاعدہ اصول تعدیل مفسر کے ہوتے ہوئے جرح مبہم غیر مقبول ہے جیسا کہ مر فی مقدمتنا اس لئے یہ جرح قابل اعتبار نہیں.

(۳) امام بخاری محمد بن اسماعیل بخاری کی طرف انتساب کر کے ان کے کلام سے امام ابوحنیفہؒ کا ناقص الحافظ ہونا ثابت ہوتا ہے. انتہائی جرأت اور دلیری ہے کیونکہ امام بخاریؒ کی کوئی ایسی عبارت پیش نہیں کی جا سکتی جس سے معترضین کا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہو یہ محض امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ حسد. بغض اور کینہ ہے کہ بے خوف وخطر

جو جی میں آیا کہہ دیا اس کو بجز بغض کے اور کیا کہا جائے۔

حافظ ابن عبد العزیز ابن ابی رواد نے بھی خداداد فراست سے ٹھیک ہی فرمایا ہے جس کو ابن حجر مکیؒ نے خیرات حسان کے صفحہ ۳۵ میں لکھا ہے۔

فقال الحافظ عبد العزيز بن رواد من احب ابا حنيفة فهو سني ومن ابغضه فهو مبتدع وفي رواية بيننا وبين الناس ابو حنيفة فمن احبه وتولاه علمنا انه من اهل السنة ومن ابغضه علمنا انه من اهل البدعة	حافظ عبد العزیز ابن رواد نے فرمایا جو شخص امام ابوحنیفہؒ سے محبت کرتا ہے وہ سنی ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہمارے اور پہلے لوگوں کے درمیان میں امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ ہمارے نزدیک اہل سنت میں سے ہے اور جو بغض رکھتا ہے وہ اہل بدعات میں سے ہے۔

ان بعض غیر مقلدین سیدھے سادھے عوام کو بہکانے کے لئے کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الضعفاء میں لکھا ہے۔

كان مرجيا سكتوا عن رأيه وحديثه	امام صاحب مرجی تھے لوگوں نے ان کی رائے اور حدیث سے سکوت اختیار کیا۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

اولاً۔ امام بخاریؒ کی کتاب الضعفاء جو آگرہ الہ آباد سے چھپ کے شائع ہوئی ہے اس میں اس مضمون کا کوئی جملہ موجود نہیں ہے۔ نیز امام بخاریؒ کی کتاب ادب المفرد۔ جزء القراۃ اور خلق العباد میں بھی یہ عبارت نہیں ہے۔ بر تقدیر ثبوت اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ

کو امام ابو حنیفہ رح سے سخت منافرت مذہبی تھی جیسا کہ امام بخاری کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔ لہٰذا یہ جرح بوجہ منافرت مذہبی کے قابلِ وثوق نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ذہبی، ابن حجر اور وصی الدین خزرجی وغیرہم نے اس جرح کی کچھ بھی وقعت نہیں کی اور لا یعبأ بہ سمجھ کر ذکر تک نہیں کیا ہے۔

ثانیاً۔ کان مرجیاً سے کیا مراد ہے۔ اگر مرجئہ مذمومہ مراد ہے تو سراسر غلط ہے اس لئے کہ فقہ اکبر میں خود امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے۔

لا نقول حسناتنا مقبولۃ وسیئاتنا مغفورۃ کقول المرجئۃ ولکن نقول من عمل صالحاً بجمیع شرائطہا خالیۃ عن العیوب المفسدۃ ولم یبطلہا حتی یخرج من الدنیا مومناً فان اللہ تعالیٰ لا یضیعہا بل یقبلہا منہ ویثیبہ علیہا الخ

ہم مرجیہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ یقیناً ہماری نیکیاں مقبول اور گناہ معاف ہیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص تمام شرائط کے ساتھ نیک عمل کرے گا بشرطیکہ ان کو فاسد و باطل کرنے والا کوئی کام ذکر کرے یہاں تک کہ ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو ضائع نہیں فرمائے گا بلکہ قبول فرما کر اس پر اجر دے گا۔

اور خیرات الحسان ص۳۲ پر ہے۔

قال شارح المواقف کان غسان المرجئی یحکی ما ذہب الیہ من الارجاء

شارح مواقف نے فرمایا کہ غسان مرجئی اپنی بیان کرتا تھا جو کہ امام صاحب کا مرجی ہونا

عن ابي حنيفة رحمه الله ويعده من المرجئة وهو افتراء عليه قصد به غسان ترويج مذهبه بنسبته الى هذا الامام الجليل الشهير

ظاہر ہو۔ اور وہ امام صاحبؒ کو از مرجیہ سے شمار کرتا تھا۔ غسان نے قصداً امام صاحبؒ پر یہ بہتان لگایا۔ وہ اس جلیل القدر امام کی طرف اپنے مذہب کو منسوب کر کے اپنے مذہب کی اشاعت کا کوشاں تھا۔

وقال الشهرستاني في الملل والنحل ومن العجب ان الغساني كان يحكي عن ابي حنيفة مثل مذهبه ويعده من المرجئة ولعله كذب عليه

شہرستانیؒ نے ملل والنحل میں فرمایا ہے تعجب ہے کہ غسانی امام صاحب کی طرف اپنے مسلک مرجیہ کی نسبت منسوب کرتا تھا اور ان کو مرجیہ کہتا تھا۔ یہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔

اور اگر مرجیہ سے مرجیہ مرحومہ مراد ہے تو تمام اہل سنت و جماعت اس میں داخل ہیں۔ تمہید ابو شکور سالمی میں ہے۔

ثم المرجئة على نوعين مرجئة مرحومة وهم اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومرجئة ملعونة وهم الذين يقولون بان المعصية لا تضر ولا يعاقب

پھر مرجیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۲) مرجیہ ملعونہ یہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اس پر عذاب کیا جائیگا۔

وروی عن عثمان بن ابی لیلی
انہ کتب الی ابی حنیفۃ رح
وقال انتم مرجئۃ فاجابہ
بان المرجئۃ علی ضربین
مرجئۃ ملعونۃ وانا بریئ
منھم ومرجئۃ مرحومۃ و
انا منھم وکتب فیہ بان
الانبیاء کانوا کذالک الا
تری الی قول عیسی علیہ السلام
قال ان تعذبھم فانھم
عبادک وان تغفر لھم
فانک انت العزیز الحکیم

عثمان بن ابی لیلیٰ نے ایک مرتبہ امام صاحبؒ
کو خط لکھا تھا کہ آپ لوگ مرجیہ ہیں:
امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ مرجیہ کی
دو قسمیں ہیں (۱) مرجیہ ملعونہ میں ان سے
بالکل بری اور بے زار ہوں۔ (۲)
مرجیہ مرحومہ یقیناً میں ان ہی میں شامل
ہوں بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
بھی ایسے ہی تھے، کیا حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کا یہ قول تم کو معلوم نہیں۔
اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ
تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت
فرمائے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بخاریؒ کا یہ قول کہ ان کی حدیث اور رائے کو لوگوں نے چھوڑ دیا محض غلط اور سراسر غلط ہے۔

ثالثاً۔ عقود الجواہر المنیفہ ص میں حافظ موصلی کی کتاب الضعفا سے منقول ہے۔

قال یحیی بن معین ما رأیت
احدا اقدمہ علی وکیع وکان
یفتی برأی ابی حنیفۃ رح و
کان یحفظ حدیثہ کلہ
وکان قد سمع من ابی حنیفۃ رح

یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو
نہیں پایا کہ اس کو وکیعؒ پر مقدم کیا گیا
ہو اور وہ امام صاحبؒ کے قول پر
فتویٰ دیتے تھے اور ان کی تمام احادیث
کو حفظ کرتے تھے، انھوں نے امام

حديثاً كثيراً

ابوحنیفہ سے بہت حدیثیں سنیں۔

اور مناقب کردری ص۲۱ میں ہے۔

سعيد بن يحيى الحميري الواسطي احد ائمة واسط واحد حفاظها روى عنه (اي ابي حنيفة) واخذ منه وكان يقول سراج هذه الامة

سعید بن یحییٰ حمیری واسطی، واسط کے ایک امام اور حافظ حدیث تھے انھوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے اور ان سے علم حاصل کیا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ چراغ امت ہیں۔

وايضاً منه ص۹۷ عبد الله بن يزيد المقرئ المكي سمع من الامام تسع مائة حديث

مناقب ہی کے ص۹۷ میں ہے کہ عبداللہ بن یزید المقری مکیؒ نے امام صاحبؒ سے نو سو حدیثیں سنیں۔

اور خیرات الحسان ص۳۳ میں ہے۔

قال ابن المباركؒ كان افقه الناس وما رأيت افقه منه وعنه ان احتيج للرأي فرأي مالكؒ وسفيانؒ وابي حنيفةؒ وهو افقههم واحسنهم وادقهم واغوصهم على الفقه اه

ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ امام صاحبؒ سب سے بڑے فقیہ تھے۔ ان سے بڑا فقیہ میں نے کوئی نہیں دیکھا، نیز فرمایا اگر رائے کی ضرورت پڑے تو امام مالکؒ سفیانؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے زیادہ قابل عمل ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ ان سب سے بڑے عالم اور فقہ میں سب سے بہتر دقیق اور عمیق ہیں۔

وقال ابو يوسف الثوري اكثر ما تبعنا لابي حنيفة مني

ابو یوسف ثوری فرماتے ہیں میں اکثر باتوں میں امام ابو حنیفہؒ کی اتباع کرتا ہوں۔

وقال يحيى بن سعيد القطان ما سمعنا احسن من رأي ابي حنيفة ومن ثم كان يذهب في الفتوى الى قوله

یحییٰ بن سعید قطانؒ فرماتے ہیں ہم نے امام ابو حنیفہؒ سے بہتر کسی کی رائے نہیں سنی۔ اسی لئے ان کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

وقال ابن المبارك رأيت مسعرا في حلقة ابي حنيفة يسأله ويستفيد منه

ابن مبارکؒ فرماتے ہیں میں نے مسعرؒ کو امام صاحبؒ کے حلقہ درس میں سوال اور استفادہ کرتے دیکھا۔

خیرات الحسان ص۲۲ میں ہے ابن حجر تحریر فرماتے ہیں۔

الفصل الثاني في ذكر الآخذين عنه الحديث والفقه قيل استيعابهم متعذر لا يمكن ضبطه

دوسری فصل امام صاحبؒ سے حدیث و فقہ حاصل کرنے والوں کے بیان میں کہا گیا ہے کہ ان کا شمار اتنا مشکل ہے کہ احاطہ ناممکن ہے۔

ومن ثم قال بعض الائمة لم يظهر لاحد من ائمة الاسلام المشهورين مثل ما ظهر من الاصحاب والتلامذة

اسی وجہ سے بعض ائمہ کا قول ہے کہ ائمہ اسلام میں امام ابو حنیفہؒ کے برابر کسی کے شاگرد نہیں ہوئے۔

ذرا انصاف سے ملاحظہ فرمایئے۔ وکیعؒ، ابن یحییٰ الواسطی،

ابن مبارک، سفیان ثوری، مسعر ابن کدام، یحییٰ بن سعید القطان وغیرہم کس زور سے آپ کے فقہ اور رائے کی تعریف و توصیف کر رہے ہیں اور آپ سے ہزاروں نے حدیث و فقہ حاصل کیا ہے بلکہ آپ کی برکت سے ہزاروں امام مقبول خلائق ہو گئے ہیں۔

کما فی مناقب کردری و مناقب موفق لابن احمد المکی

باوجود اس کے امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ سکتوا عن رأیہ وعن حدیثہ۔ بتلائیے اس کو منافرت مذہبی پر اگر محمول نہ کیا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

رابعاً۔ اگر امام بخاریؒ کے نزدیک ارجاء کی وجہ سے راوی قابل ترک ہو جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں فرق باطلہ یعنی مرجیہ، ناصبیہ، خارجیہ، شیعہ اور جہمیہ، قدریہ اور امام ابوحنیفہ وغیرہم سے روایت کی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی مقدمہ فتح الباری میں اس کی تفصیل نام بنام لکھی ہے۔ ہم اس موقع پر ان چار فرق باطلہ کی مجموعی تعداد الگ الگ بتلاتے ہیں جو صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ مرجیہ ۱۳، شیعہ ۲، قدریہ ۲۸، اور ناصبیہ غور فرمائیے کیا غیر مقلدین کے خیال کے موجب صحیح بخاری اضعف الکتب ثابت نہیں ہوئی۔

جب بخاری کے رواۃ کا ذکر آگیا تو مناسب ہوگا کہ بخاری کے چند رواۃ کا حال ذکر کر دیا جائے۔ دیا جاتا ہے کہ صحیح بخاری ایسی بے نظیر کتاب ہے کہ کتب حدیث میں اصح الکتب مانی گئی ہے اور اس پر دنیا کا اتفاق ہے۔ اور واقعی حضرت امام بخاریؒ نے بڑا التزام کیا ہے۔

ان کی سعی اور عرق ریزی قابلِ قدر اور ان کی مقبولیت قابلِ آفرین و ستائش ہے۔

جعل اللّٰہ سعیہ مشکورًا	اللہ ان کی کوشش قبول فرمائے

مگر اس میں بھی بہت سے ایسے رجال ہیں جن پر ہر قسم کی جرح بیان ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کذاب۔ (بہت جھوٹا)

یکذب الحدیث	حدیث کے سلسلہ میں جھوٹ بولتا ہے
یسرق الحدیث	حدیث چراتا ہے
یضع الحدیث	حدیث گھڑتا ہے

جو اعلیٰ درجہ کی جرح ہے وہ بھی منقول ہے۔ چنانچہ بخاری کے مجروح راویوں کے اسماء مع الفاظ جرح مقدمہ فتح الباری اور میزان الاعتدال میں ملاحظہ کئے جائیں جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

باوجود ان جرحوں کے امام بخاری نے ان مجروح راویوں کو قابلِ ترک نہیں سمجھا اور نہ ان کی روایت چھوڑی بلکہ احتجاجًا یا استشہادًا ان کی روایت اپنی کتاب اصح الکتب میں داخل کر دی اور اس کے باوجود دوسرے محدثین نے بخاری کے اصح الکتب ہونے سے انکار نہیں کیا۔ پھر کون سی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ پر بقاعدہ اصول کوئی جرح بھی عائد نہیں ہوتی پھر بھی امام بخاریؒ نے ان کی کوئی روایت نقل نہیں کی۔ بجز منافرت مذہبی کے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ پس جبکہ منافرت مذہبی بیّن دلیل سے ثابت ہے تو امام بخاری کی جرح امام ابوحنیفہؒ کے حق میں کیا مؤثر ہو سکتی ہے۔

خامسًا۔ بخاری جس کو مجروح سمجھیں اگر اس کی روایت قابلِ ترک ہے

تو صدہا راوی مسلم و نسائی و ترمذی اور ابوداؤد وغیرہا کے جن سے بخاری نے روایت نہیں کی ہے بلکہ ان کو مجروح کہا ہے، اس قاعدہ سے قابل ترک ہو جاتے ہیں، حالانکہ محدثین نے ان کو قابل ترک نہیں سمجھا ہے پس امام ابوحنیفہؒ امام بخاریؒ کی جرح کی وجہ سے کیوں مجروح ہو جائیں گے۔

امام بخاریؒ نے تو کتاب الضعفاء میں حضرت اویس قرنیؒ کو

فی اسنادہ نظر	ان کی سند محل نظر ہے

کہہ دیا ہے، اور بخاریؒ کی اصطلاح میں یہ سخت جرح ہے۔ حالانکہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت و خیریت صحیح احادیث میں موجود ہے پس ایسی جرح سے حضرت اویس قرنیؒ ہرگز مجروح نہیں ہو سکتے۔

ساتواں جواب: اگر امام بخاریؒ کو اپنی جرح پر وثوق اور اعتماد ہوتا تو جن راویوں پر خود جرح کرتے ہیں، ان سے روایت نہ کرتے حالانکہ صحیح بخاری میں متعدد راوی ایسے بھی ہیں کہ ان کو بخاریؒ نے مجروح قرار دیا ہے اور خود ان سے روایت بھی کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ان راویوں کے نام جن سے بخاریؒ نے روایت کی ہے اور خود ان پر جرح بھی کی ہے۔

(۱) اسید بن زید الجمال قال الذہبی فی المیزان والعجب ان البخاری اخرج لہ فی صحیحہ وذکرہ فی کتاب الضعفاء	علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ تعجب ہے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں اسید بن زید سے روایت بھی بیان کی ہے اور کتاب الضعفاء میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔
(۲) ایوب بن عائذ قال البخاری فی کتاب الضعفاء کان یری	ایوب بن عائذ کے لئے بخاریؒ نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے وہ ارجاء کو

الا رجاء وهو صدوق

پسند کرتے تھے والا کہ وہ سچے تھے

(۳) ثابت بن محمد قال الذهبي مع كون البخاري حدث عنه في صحيحه ذكره في الضعفاء

ذہبی نے فرمایا کہ باوجود اس کے کہ بخاری نے ثابت بن محمد سے روایت کی ہے ان کو ضعیفوں میں شمار کیا ہے۔

(۴) زهير بن محمد قال البخاري في كتاب الضعفاء روى عنه اهل الشام مناكير

زہیر بن محمد کے لئے بخاری رح نے کتاب الضعفاء میں فرمایا کہ ان سے اہل شام نے منکرات کو روایت کیا ہے۔

(۵) زياد بن الربيع قال البخاري في اسناد حديثه نظر كذا في الميزان

زیاد بن ربیع کے لئے بخاری رح نے فرمایا کہ ان کی حدیث کی سند میں نظر ہے جیسا کہ میزان میں ہے

(۶) عطاء بن ميمونة. قال البخاري في كتاب الضعفاء كان يرى القدر وفي مقدمة فتح الباري وغير واحد كان يرى القدر كالحسن بن ذكوان قال الذهبي اتهم بالقدر وله حديث منكر اخرجه من اجله البخاري في كتاب الضعفاء

امام بخاری رح نے کتاب الضعفاء میں فرمایا کہ عطاء بن میمونہ قدر کی طرف مائل تھے اور فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بہت سے راوی قدر کی طرف مائل تھے جیسے حسن بن ذکوان۔ ذہبی نے فرمایا کہ ان پر قدر کی تہمت لگائی گئی اور ان کے پاس منکر حدیث ہے۔ جس سے امام بخاری نے ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔

ناظرین انصاف ملاحظہ فرمایئے اگر امام بخاری رح کو اپنی جرح پر وثوق تھا تو ان مجروحین سے کیوں روایت کی، جب بخاری کو اپنی جرح پر خود وثوق نہیں تو جائے تعجب ہے کہ مقلدین بخاری کو ان کی جرح پر کیسے وثوق ہو گیا کہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ کو ضعیف الحدیث کہنے لگے۔

علاوہ بریں اگر معترض کے نزدیک بخاریؒ کی جرح باوجود غیر صحیح اور خلاف اصول ہونے کے امام ابوحنیفہؒ کے حق میں مؤثر ہے تو معترض کے نزدیک بخاری کیوں نہ مجروح اور قابل ترک ہوں گے۔ کیا بخاری پر ائمہ حدیث سے جرحیں منقول نہیں ہیں۔ ہاں ضرور منقول ہیں۔

بطور تمثیل چند جرحیں ملاحظہ فرمائیے۔

اوّل: بخاریؒ کے استاد امام ذہلی نے بخاری پر سخت جرح کی ہے۔ طبقات شافعیہ صہ۱۲ ج۲ میں ہے۔

قال الذهلي الا من يختلف الى مجلسه (اي البخاري) فلا يأتينا فانهم كتبوا الينا من بغداد انه تكلم في اللفظ ونهيناه فلم ينته فلا تقربوه	امام ذہلی نے فرمایا جو بخاری کی مجلس میں جاتا ہے وہ ہمارے پاس نہ آئے کیونکہ بغداد سے ہمیں لوگوں نے لکھا ہے کہ بخاری الفاظ قرآن کے سلسلہ میں کلام کرتے ہیں اور ہم نے ان کو اس سے منع کیا مگر وہ باز نہیں آئے۔ لہٰذا ان کے پاس نہ جاؤ۔

خیال فرمائیے ذہلی نے لوگوں کو امام بخاری کے نزدیک جانے سے منع کر دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہہ دیا۔

"من زعم ان لفظي بالقرآن مخلوق فهو مبتدع لا يجالس ولا يكلم"	جو یہ کہے کہ میرے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ قرآن کے مخلوق ہیں تو وہ بدعتی ہے۔ نہ اس کے پاس بیٹھا جائے اور نہ اس سے بات کی جائے۔
طبقات صہ۲	

ذہلیؒ کے اس کلام کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا کہ لوگوں نے بخاریؒ سے رابطہ چھوڑ دیا۔ تاریخ ابن خلکان صفحہ [illegible] میں ہے۔

فلما وقع بین محمد بن یحییٰ والبخاری ما وقع فی مسئلۃ اللفظ ونادی علیہ، منع الناس من الاختلاف الیہ حتی ہجر وخرج من نیشاپور فی تلک المحنۃ وقطعہ اکثر الناس غیر مسلم۔

جب محمد بن یحییٰ اور امام بخاریؒ کے درمیان الفاظ قرآن کے مسئلہ میں اختلاف ہوا تو انھوں نے لوگوں کو ان کے پاس (بخاری کے پاس) جانے سے روک دیا۔ یہاں تک کہ اس آزمائش کے دور میں امام بخاری کو نیشاپور سے ہجرت کرنا پڑی اور امام مسلم کے علاوہ اکثر محدثین نے ان سے قطع تعلق کر لیا۔

دوم: امام مسلمؒ نے باوجود اس رفاقت کے بخاریؒ سے اپنی صحیح مسلم میں ایک حدیث بھی نہیں روایت کی بلکہ حدیث معنعن کی بحث میں

بعض منتحلی الحدیث من عصرنا

کے لفظ سے بخاری کو یاد کیا ہے۔ اور بہت درشت اور ناملائم الفاظ کہہ گئے۔ دیکھو مسلم صفحہ ۲۱

سوم: ابوزرعہ اور ابوحاتم نے بخاریؒ کو چھوڑ دیا۔ طبقات شافعیہ صفحہ ۹ میں ہے۔

ترکہ ای البخاری ابوزرعہ وابوحاتم من اجل مسئلۃ اللفظ

ابوزرعہ اور ابوحاتم نے الفاظ قرآن کے اختلاف کی وجہ سے بخاریؒ کو چھوڑ دیا

اور میزان الاعتدال میں ہے۔

كما امتنع ابو زرعة وابو حاتم من روايته عن تلميذه (اى ابن المدينى) محمد (اى البخارى) لاجل مسئلة اللفظ

جیسا ابوزرعہ اور ابوحاتم نے (علی بن المدینی) کے شاگرد (امام بخاری) سے الفاظ قرآن کے اختلاف کی بناء پر روایت کرنا ترک کر دیا۔

وقال عبد الرحمن بن ابى حاتم كان ابو زرعة ترك الرواية عنه من اجل ما كان منه فى تلك المحنة"

عبدالرحمن بن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ اسی آزمائش کی بناء پر ابوزرعہ نے امام بخاری سے روایت کرنا ترک کر دیا۔

چہارم: ابن مندہ نے بخاری کو مدلسین میں شمار کیا ہے۔

شرح مختصر جرجانی صـ ۲۱۵ میں ہے۔

عده ابن منده فى رسالة شروط الائمة من المدلسين حيث قال اخرج البخارى فى كتبه قال لنا فلان وهى اجازة وقال فلان وهى تدليس

ابن مندہ نے بخاری کو اپنے رسالہ شروط الائمہ میں مدلسین میں شمار کیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ بخاری نے اپنی کتابوں میں اس طرح روایتیں بیان کی ہیں کہ ہم سے فلاں نے کہا یہ اجازت ہے اور فلاں نے کہا یہ "تدلیس ہے"

ظاہر ہے کہ تدلیس سوء حفظ سے بڑھ کر عیب ہے کیونکہ یہ فعل اختیاری ہے اس میں مغالطہ و فریب ہے اسی لئے شمسی نے کہا ہے کہ التدليس حرام عند الائمة (مقدمہ اصول لشیخ المحدث الدهلوى على المشكوٰة صـ ۳) تدلیس ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔

غور فرمایئے بخاریؒ نے ذہلیؒ سے تقریباً ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔

مگر جس نام سے وہ مشہور تھے کہیں نہیں ذکر کیا کیونکہ بخاری و ذہلی میں سخت خشونت و منافرت تھی۔ تاریخ ابن خلکان صفحہ ۳۳۴ میں ہے۔

وروى (اى البخاري) عنه (الذهلي) في مقدار ثلثين موضعاً ولم يصرح باسمه فيقول حدثنا محمد بن يحيى الذهلي بل يقول حدثنا محمد ولا يزيد عليه ويقول محمد بن عبد الله ينسبه الى جده وينسبه ايضاً الى جد ابيه

امام بخاریؒ نے امام ذہلی سے تیس مقامات پر روایات بیان کی ہیں اور کہیں بھی ان کا نام نہیں لیا کہ یوں کہتے ہم سے محمد بن یحییٰ ذہلی نے بیان کیا بلکہ صرف اس طرح کہتے ہیں کہ ہم سے محمد نے حدیث بیان کی۔ کبھی کہیں محمد بن عبد اللہ ان کے دادا کی جانب منسوب کر کے کہتے ہیں اور بعض جگہ پردادا کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔

پنجم: دارقطنی اور حاکم نے کہا ہے کہ اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل سے بخاری کا حدیث روایت کرنا معیوب سمجھا گیا ہے۔

مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۱۵ میں ہے۔

قال الدارقطني والحاكم عيب على البخاري اخراج حديثه

دارقطنی اور حاکم نے فرمایا کہ روایت حدیث میں بخاری پر الزام لگایا ہے۔

دارقطنی اور حاکم کا مطلب یہ ہے کہ اسحاق بن محمد کو بخاری نے ثقہ خیال کر لیا حالانکہ وہ ضعیف ہیں، ثقہ اور ضعیف میں امتیاز نہ کر سکے۔ اور اسماعیل نے بخاری کے اس فعل پر تعجب کیا ہے کہ ابو صالح جہنی کی منقطع روایت کو صحیح کہتے ہیں اور متصل کو ضعیف۔ مقدمہ فتح الباری صفحہ ۳۹۲ میں ہے۔

وقد عاب ذلك الاسمعيلي

اسمٰعیلیؒ نے بخاری پر اس کا الزام لگایا

علی البخاری فتعجب منه کیف یحتج باحادیث حیث یعللها	اور تعجب کیا کہ امام بخاری کی احادیث سے کیونکر استدلال کرتے ہیں جبکہ وہ
فقال هذا اعجب یحتج به اذا کان منقطعا ولا یحتج به اذا کان متصلا	فرمایا یہ اور زیادہ عجیب بات ہے کہ حدیث منقطع کو قابل حجت اور متصل کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

ششم: ذہبی نے بخاری کے بعض امور پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ اسید بن زید الجمال کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

فالعجب ان البخاری اخرج له وذکره فی کتاب الضعفاء	عجب ہے کہ بخاری اس سے روایت بھی کرتے ہیں اور اس کو ضعیف بھی کہتے ہیں۔

جو کسی راوی کو خود ضعیف بتلا دے اور پھر اصح الکتب میں اس سے روایت بھی کرے۔ غور کرو اس سے قائل کے حافظہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

معترضین ذرا انصاف کریں کہ اگر امام ابوحنیفہؒ امام بخاریؒ کی جرح کی وجہ سے ضعیف ہیں تو بخاری ابن مندہ اور ذہبی وغیرہ کی جرح کے سبب سے کیوں مجروح نہ ہوں گے۔

ہفتم: حسب قاعدہ معترضین جب بخاری خود مجروح ثابت ہوئے تو مجروح کی جرح امام ابوحنیفہؒ پر کیا اثر ڈال سکتی ہے افسوس ہے کہ غیر مقلدین محض حسد سے امام ابوحنیفہ پر حملہ کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم اپنا گھر ڈھاتے ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ ضعیف کہے جائیں گے تو دنیا کے تمام محدثین ضعیف اور متروک الحدیث ہو جائیں گے۔ برائے شگون کے لئے اپنی ناک کاٹ ڈالنا کون سی دانشمندی ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ محض اسکات خصم کے لئے یہ جرحیں نقل کی گئی ہیں۔ جیسا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے اپنی کتاب تحفہ میں بمقابلہ شیعہ الزامی پہلو اختیار فرمایا ہے ورنہ صداقت کے ساتھ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ دونوں ثقہ، صدوق، عادل، ضابط، جید الحافظ، عابد، زاہد اور عارف تھے۔ کوئی ان میں مجروح نہیں اور کسی کی حدیث قابل ترک نہیں جن احوال سے امام بخاریؒ کی جرحیں موضوع ہیں انہیں احوال سے امام ابوحنیفہ کی جرحیں مدفوع اور ساقط الاعتبار ہیں۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان
ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا
انک رؤف الرحیم۔

(۵) دارقطنی اپنی سنن صـ۱۲۳ میں لکھتے ہیں۔

لم یسندہ عن ابن ابی عائشۃ	ابن ابی عائشہ سے سوائے ابوحنیفہؒ
غیر ابی حنیفۃ والحسن بن	اور حسن بن عمارہ کے کسی نے روایت
عمارۃ وھما ضعیفان	نہیں کی اور وہ دونوں ضعیف ہیں۔

(اقول) اولاً: یہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے ہوتے ہوئے جرح مقبول نہیں۔ کما مر مراراً۔

ثانیاً: دارقطنی شافعی المذہب ہیں، بوجہ منافرت مذہبی کے ان سے یہ جرح صادر ہوئی۔ عینی نے عمدۃ القاری صـ۲۹۱ج۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

لو تادب دارقطنی واستحیی	اگر دارقطنی ادب و حیا سے کام

لما تلفظ عنده باللفظة في حق ابي حنيفة فانه امام طبق علمه المشرق والمغرب

یعنے تو امام اعظمؒ کے بارے میں اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالنے کیونکہ ان کی امامت اور ان کا علم دنیا میں مسلم ہے۔

اس کے بعد عینی نے یحیی بن معین و شعبہ و عبد اللہ بن المبارک و سفیان بن عیینہ و سفیان ثوری و حماد بن زید و عبد الرزاق و وکیع و مالک و شافعی اور احمد سے امام ابو حنیفہ کی توثیق اور مناقب ذکر کر کے لکھا ہے:

وقد ظهر من هذا تحامل الدارقطني عليه و تعصبه الفاسد وليس له بالنسبة الى هؤلاء حتى يتكلم في امام متقدم على هؤلاء في الدين و التقوى والعلم و بتضعيفه اياه هو يستحق التضعيف افلا يرضى بسكوت اصحابه عنه و قد روى في سننه احاديث سقيمة و معلولة و منكرة و غريبة و موضوعة وقد روى ضعيفه في كتاب الجهر بالبسملة واحتج بها مع علمه بذلك حتى ان

اور اس سے دارقطنی کا امام صاحب پر ظلم اور بے بنیاد تعصب ظاہر ہو گیا، دارقطنی کی ان حضرات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں کہ وہ ایسے امام پر کلام کرتے ہیں جو دین، تقوی اور علم میں ان سب پر مقدم ہیں اور وہ ایسے امام کو ضعیف کہتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس کے مستحق ہیں۔

کیا وہ امام صاحب کی بابت اپنے اصحاب کے سکوت پر راضی نہیں، حالانکہ خود انہوں نے اپنی سنن میں ضعیف، معلول، منکر، غریب اور موضوع احادیث بیان کی ہیں اور انہوں نے جہر بسم اللہ کے سلسلہ میں ایک ضعیف روایت بیان کی اور ضعف کا علم ہونے کے

بعض شیوخ اسنۃ تصدہ حتی قال انہ — باوجود اس سے استدلال کیا یہاں تک کہ

فقال لیس فیہ ما حدیث — بعض حضرات نے ان سے منع یا توخود کیا

صحیح — کہ واقعی اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے

اور واقعی دارقطنی نے بہت سے ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ کہہ دیا ہے۔

سنن دارقطنی ص۳۷ میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب کان یغتسل — حضرت عمر بن الخطابؓ کے لئے برتن میں

له ماء فی قمقمة و یغتسل به — پانی گرم کیا جاتا تھا اور وہ اس سے غسل

قیل اسنادہ صحیح — کیا کرتے تھے۔

اس کی سند کو صحیح لکھ دیا حالانکہ اس کی سند میں علی بن غراب اور ہشام بن سعد واقع ہیں جو مجروح ہیں۔ (الجواہر النقی ص۔۔)

ثالثاً دارقطنی نے امام بخاری پر بھی یہی عیب لگا دیا ہے۔ اسحٰق ابن محمد جو بخاری، ابوداؤد اور نسائی کے معتبر راوی ہیں ان کی روایت کی وجہ سے کہہ دیا ہے۔ عیب علی البخاری (مقدمہ فتح الباری ص۔۔) دارقطنی کے بیان سے تو بخاری بھی معیوب ٹھہرے۔ پس جس طرح اسحٰق بن محمد کے باب میں دارقطنی کا کلام غلط سمجھا جاتا ہے امام ابوحنیفہؒ کے باب میں بھی غلط سمجھنا چاہیے۔

رابعاً۔ دارقطنی نے سنن نسائی کو صحیح کہا ہے۔

(فتح المغیث ص۳۲ و زہر الربیٰ ص۳)

اور پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نسائی کے راوی ہیں پس دارقطنی کے دونوں کلاموں میں تعارض ہے۔

(٦) بیہقی معرفۃ السنن والآثار میں لکھتے ہیں:

وقد رويتا بعضهما عليه الاصن هو اضعف منهما

اس حدیث میں ان دونوں کی متابعت صرف اس شخص نے کی ہے جو ان دونوں سے زیادہ ضعیف ہے۔

اقول اولاً۔ یہ جرح مبہم ہے۔ خلاف قاعدہ اصول غیر مقبول۔ کما مر۔

ثانیاً۔ بیہقی کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کیوں ضعیف ہیں۔ اگر حدیث

من کان لہ امام

جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے۔

مرفوع روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف ہیں تو محض غلط ہے کیونکہ اس حدیث کو فقط امام صاحبؒ نے مرفوعاً نہیں بیان کیا بلکہ دوسرے ثقات جیسے سفیان ثوری اور شریک نے بھی باسند صحیح مرفوعاً روایت کیا ہے کما سیاتی تفصیلہ فی موضعہ۔

اور اگر کوئی دوسری وجہ ہو تو امام بیہقی کے مقلد اس کو بیان کریں اور بیہقی کی کتاب میں اس کی تصریح دکھادیں۔

ثالثاً۔ بیہقی متاخرین میں سے ہیں۔ شافعی المذہب و شافعی کے والہ و شیدہ ہیں۔ لسان المحدثین ص [illegible] میں ہے۔

در تصانیف خود نصرت مذہب او نمود و بتائید و نصرت او رواج این مذہب دو بالا گشت وکذا

علامہ بیہقی نے اپنی تصانیف میں مذہب شافعی کی تائید فرمائی ہے اور ان کی تائید نصرت سے اس مذہب کو رواج دو بالا

يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم

تقلید ائمہ

مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی

ناشر

(مولانا) معاذ الاسلام سنبھلی

فی الطبقات الشافعیہ صہ ۲۳	ہو گیا اور یہی طبقات الشافعیہ میں ہے

تاریخ ابن خلقان صہ ۲۹ میں ہے کہ باوجود محدث ہونے کے حدیث کی بہت سی کتابیں مثلاً نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ ان کے پاس نہ تھیں۔ اور ان کتابوں کی احادیث سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔

بستان المحدثین صہ ۵ میں ہے۔

وسنن نسائی وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ نزد او نبود و بر احادیث این سہ کتاب کما ینبغی اطلاع ندارد	سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہیں تھیں۔ اور ان تینوں کتابوں کی احادیث پر کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔

اور طبقات شافعیہ صہ ۲۳ میں ہے۔ ولم یقع الترمذی والنسائی ولا ابن ماجہ ۱۲ اور ان کی حدیث اور ان کا دائرہ حدیث وسیع نہ تھا

طبقات الشافعیہ صہ ۲۳ میں ہے۔

وقال الذھبی دائرتہ فی الحدیث لیست کبیرۃ	ذہبی نے فرمایا کہ بیہقی کا دائرہ حدیث وسیع نہیں تھا

بیہقی کے مسامحات جس کو دیکھنے ہوں وہ الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی دیکھے۔ پس بیہقی کی جرح اس اعتبار سے بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔

(۷) ابن جوزیؒ: امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرنے والے لوگ ابن جوزی کی کتاب المنتظم کی تین روایتیں تخریج ہدایہ کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں۔

(الف) قال صاحب المنتظم عبد اللہ بن علی المدینی قال	صاحب منتظم کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن علی المدینی نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں

سألت عن أبي حنيفة فضعفه جداً وقال خمسين حديثاً أخطأ فيه۔

سوال کیا تو انہوں نے ان کی بہت تضعیف کی اور کہا کہ امام ابوحنیفہ نے پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے۔

(ب) عن أبي حفص عمرو بن علي قال أبو حنيفة ليس بحافظ مضطرب الحديث ذاهب الحديث

ابوحفص عمرو بن علی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ حافظ حدیث نہیں تھے اور ذاہب الحدیث یعنی ضعیف تھے۔

(ج) قال أبو بكر بن داؤد جميع ما روى أبو حنيفة الحديث مائة وخمسون أخطأ أو قال غلط في نصفها انتهى۔

ابوبکر بن داؤد کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ سے صرف ۱۵۰ حدیثیں مروی ہیں اور نصف میں یعنی پچہتر حدیثوں میں غلطی کی ہے۔

اقول: ابن جوزی تضعیف حدیث اور رواۃ کے بارے میں نہایت درجہ متعنت اور متشدد ہیں۔ حتی کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کو بھی موضوعات میں داخل کر دیا ہے۔ اور ان کے بعض راویوں کو بھی وضاع اور کذاب کہہ دیا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر محدثین نے ان کی تنقید پر اعتماد نہیں کیا اور ان کی تنقید کو بے اعتبار قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ سیوطی تعقبات علی الموضوعات ص۱ میں لکھتے ہیں۔

قد نبه الحفاظ قديماً وحديثاً على ان فيه داء في كتاب الموضوعات تساهلاً كثيراً وأحاديث ليست بموضوعة بل هي من راوي الضعيف

قدیم اور جدید محدثین نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ کتاب الموضوعات میں بہت تساہل اور کمزوری ہے اور اس میں وہ احادیث بھی ہیں جو موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ صرف ضعیف راویوں سے مروی ہیں

وفيه احاديث حسان فالجوزي — اور بعض موضوع نہیں ہیں اور بعض صحیح بھی ہیں

موضوع منها فيه حديث في صحيح — بلکہ ایک حدیث مسلم کی بھی ہے۔

وفي صحيح مسلم وقد نبه الحافظ — حافظ ابن حجر نے بتایا کہ اس میں ایک

ابن حجر وجدت فيه حديثا — حدیث اس میں بخاری کی بھی دیکھی ہے

من صحيح البخاري

وقال ابن حجر غفل ابن الجوزي و — ابن حجر فرماتے ہیں ابن جوزی اور

هذا الحاكم في المستدرك — مستدرک میں حاکم کے تساہل نے دونوں

اعدام النفع بكتابيهما — کتابوں کے نفع کو کالعدم کر دیا

اور سیوطی نشر العلمین المنیفین کے خاتمہ صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں کہ ابن جوزی کے تسامح کو بہت سے محدثین نے ذکر کیا ہے۔ ازاں جملہ ابن صلاح، حافظ زین الدین العراقی، قاضی بدر الدین بن جماعہ، سراج الدین البلقینی، حافظ صلاح الدین العلائی زرکشی و قاضی ابو الفرج نہروانی و حافظ ابن حجر وغیرہم ہیں۔

پس معترض کو چاہیے کہ پہلے بخاری و مسلم و بعض اربعہ کے راویوں کے وضاع و کذاب ہونے کا اقرار کریں۔ اس کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض پیش کریں۔

ثانیاً۔ کتاب المنتظم نہایت غیر معتبر کتاب ہے۔ اس میں صریح صریح غلطیاں اور بہت سے اوہام ہیں۔

کشف الظنون صفحہ ۵۳۲ میں ہے۔

منتظم في تاريخ الامم لابي — ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن جوزی

الفرج عبد الرحمن بن علي بن — علماء نے کتاب المنتظم میں بہت سے

الجوزي البغدادي المتوفى ٥٩٧ھ ذكر فيه من لدن آدم الى عاشر الحضرة النبوية. قال المولى علي بن الحنائي وفيه اوهام كثيرة واغلاط صريحة اشرت الى بعضها في حاشيتي على نسخته بخطه مختصرا

عالم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کے حالات وواقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مولانا علی ابن الحنائی کہتے ہیں کہ اس میں بہت اوہام اور صریح غلطیاں ہیں۔ بعض کی طرف میں نے حاشیہ میں اشارہ کیا ہے۔

چونکہ کتاب منتظم دفتر اغلاط ہے اور قطعیہ روایات منقولہ کو معتبر سند سے معترض ثابت کریں ہرگز ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ مؤلف قابل وثوق ہیں اور نہ ان کی کتاب۔

اگر معترض کو جرأت ہو تو اصل کتاب سے کوئی ایک روایت مع سند کے نقل کر کے پھر اس سند کو صحیح ثابت کرے۔

ثالثاً: ان روایات میں فقط ابو حنیفہ کا لفظ ہے۔ ابن جوزی کو چونکہ کثیر الاوہام ہیں۔ کما قال المولیٰ علی بن الحنائی۔ اگرچہ انہوں نے ابو حنیفہ سے امام ابو حنیفہ کا ارادہ کیا ہے مگر بغیر دلیل کے محض ان کی تعبیر حجت نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ ان روایات میں دوسرے ابو حنیفہ مراد ہوں۔ کیونکہ ابو حنیفہ پانچ شخصوں کی کنیت ہے۔ دیکھو کتاب الاسماء والکنی للدولابی صفحہ ۱۵۵ بلکہ علامہ مجد الدین فیروزآبادی نے قاموس میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ بیس فقہا کی کنیت ہے۔

قال في ذكر لفظ الحنيفة ابو حنيفة كنية عشرين من الفقهاء

لفظ حنیفہ کے ذکر میں انہوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہ بیس فقہا کی کنیت ہے الخ

اشہرھم امام الفقہاء النعمان۔

سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت ہے۔

اور منتہی العرب میں ہے۔

ابوحنیفہ کنیت بست فقیہ راست اشہر آنہا نعمان بن ثابت کوفی است وھوالامام الاعظم

ابوحنیفہ بیس فقہاء کی کنیت ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور امام الفقہاء نعمان بن ثابت کوفی ہے اور وہ امام اعظمؒ ہیں۔

ازاں جملہ ابوحنیفہ سماک بن فضل امام شافعیؒ کے استاد ہیں۔ جن کی روایت مسند امام شافعی صہ ۱۴۳ میں موجود ہیں۔ اور ابوحنیفہ عدوی سلیمان بن حیان ہیں جن کی روایت اسماء الکنیٰ دولابی صہ ۱۴۲/۱ میں موجود ہے۔ پس بغیر تحقیق کے محض ابن جوزی کے کہنے سے کیوں یقین کیا جائے کہ روایات مذکورہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کوفی مراد ہیں۔ کیونکہ کنیتوں کے اشتراک سے دھوکہ میں آجانا ممکن ہے۔ ملاحظہ ہو طبقات شافعیہ صہ ۴۲/۱

مذکور ہے ابن معین نے احمد بن صالح کو کہا کہ۔

رأیتہ کذّابا یخطب فی جامع مصر

میں اس کو کذّاب جانتا ہوں۔ وہ مصری جامع مسجد میں تقریر کرتا ہے۔

اس عبارت سے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے احمد بن صالح مصری مراد ہیں۔ جو کہ بڑے ثقہ، حافظ اور رجال بخاری سے ہیں اور ان کو ضعیف سمجھ لیا۔ حالانکہ ابن معین نے دوسرے احمد بن صالح کو کہا تھا۔ اسی طبقات شافعیہ میں ہے۔

قلت وقد ذکر ان الذی ذکر فیہ ابن معین ھذہ المقالۃ ھو احمد بن صالح الشمومی وھو شیخ بمکۃ یضع الحدیث وانما لم یعن احمد بن صالح ھذا. وقد ذکرنا فی مقدمۃ فتح الباری ص۳۹۴

میں کہتا ہوں کہ یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ابن معین نے اپنے رسالہ میں جس کا تذکرہ کیا ہے وہ احمد بن صالح شمومی ہے۔ یہ مکہ کا ایک بوڑھا تھا جو حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اور انھوں نے احمد بن صالح مصری مراد نہیں لئے۔ یہی مقدمہ فتح الباری ص۳۹۴ میں بھی لکھا ہے۔

پس معترضین کو چاہیئے کہ نقل شدہ روایات کی تصحیح کے بعد ابو حنیفہؒ کی تعیین دلیل سے بیان کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعویٰ کریں۔

رابعاً۔ ان روایات میں یہ مباحث بھی قابل ملاحظہ ہیں۔

(الف) پہلی روایت ابن جوزی نے بواسطہ عبداللہ بن علی ابن المدینی نقل کی ہے۔ تاوقتیکہ عبداللہ کی توثیق و تعدیل ثابت نہ ہوجائے یہ روایت کیونکر معتبر ہوسکتی ہے پہلے معترض کو چاہیئے کہ عبداللہ کی توثیق ثابت کریں۔ اس کے بعد ثبوت جرح کا دعویٰ کریں۔ کیونکہ معتبر ناقلین سے ثابت ہے کہ علی بن المدینی نے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق کی ہے۔ کما مر سابقاً۔

اور حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں حافظ موصلی ازدی کی کتاب سے امام ابو حنیفہؒ کی توثیق و تعدیل یحییٰ بن معین، شعبہ و شبابہ وغیرہم سے نقل کرکے لکھا ہے۔

وقال ابن المدینی ابو حنیفۃ

ابن مدینی نے فرمایا کہ ابو حنیفہؒ سے

روى عنه الثوري وابن المبارك وحماد وهشيم ووكيع وعباد وجعفر بن عون وهو ثقة لا بأس به

ثوری، ابن مبارک، حماد، ہشیم، وکیع، عباد اور جعفر بن عون نے روایت کی ہے۔ اور وہ ثقہ ہیں ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(مختصر جامع بیان العلم وفضلہ ص۱۹۹)

(ب) دوسری روایت میں یہ کلام ہے کہ بر تقدیر ثبوت وہ جرح مبہم ہے اور تعدیل مفسر کے مقابلہ میں جرح مبہم غیر مقبول ہے۔

(ج) تیسری روایت میں یہ کلام ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد جو ابو حنیفہ کے جارح ہیں وہ خود مجروح اور کثیر الخطا ہیں بلکہ ان کے والد ابو داؤد سجستانی نے ان کو کذاب تک کہہ دیا ہے۔ اور خود ابوبکر نے اپنی خطا اور وہم کا اعتراف کیا ہے۔

تذکرہ ص ۲/۳۳ اور میزان ص ۲/۳۹ میں ہے۔

قال السلمي سألت الدارقطني عن ابن ابي داؤد فقال ثقة كثير الخطأ في الكلام على الحديث

سلمی کہتے ہیں کہ میں نے دارقطنی سے ابن ابی داؤد کے بارے میں سوال کیا، فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں لیکن حدیث پر کلام میں بہت غلطی کرتے ہیں۔

وفي الميزان كتب ثلاثة اخطأ في ستة احاديث منها ثلاثة حدثت بها كما حدثت وثلاثة اخطأت

اور میزان میں ہے میں نے چھ احادیث میں غلطی کی ان میں سے تین میں نے ویسے ہی بیان کیں جس طرح بیان کی گئیں اور تین میں غلطی کی۔

علی بن حسین بن جنید کہتے ہیں:

سمعت ابا داؤد يقول ابني

میں نے ابو داؤد کو کہتے سنا کہ میرا بیٹا

عبداللہ کذاب۔ قال ابن عباس كما قاله قال ابوحنیفہ	عبداللہ کذاب ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ جو کچھ اس نے بدلے میں اس کے باپ نے کہا ہے وہی کافی ہے

اور میزان جلد ۳ صفحہ ۹ میں ہے۔

ثم قال ابن عدی سمعت موسی بن القاسم الاشیب يقول حدثنی ابوبکر سمعت ابراہیم الاصبہانی يقول ابوبکر بن داؤد واللہ کان هذا عندی منسلخا من العلم	پھر ابن عدی نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ بن القاسم الاشیب سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم اصبہانی کو فرماتے سنا اللہ کی قسم ابوبکر ابن داؤد میرے نزدیک علم سے کورا ہے

اور تذکرہ صفحہ ۳۴۳ میں ہے۔

وقد تكلم فيه ابوه وابراہیم	اس میں اس کے والد اور ابراہیم نے کلام کیا ہے

علاوہ بریں ابوبکر بن ابی داؤد کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ نے [illegible] حدیثیں روایت کی ہیں صریح البطلان اور محض غلط ہے۔ اس لئے کہ کتب متداول جیسے مسند امام اعظم و عقود الجواہر المنیفہ وموطا امام محمد و آثار امام محمد وغیرہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایات سینکڑوں ہزاروں ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد امام ابوحنیفہ کے تبحر فی الحدیث سے ناواقف تھے۔ پس ایسے ناواقف کی جرح ایسے ثقہ حافظ حدیث کے حق میں کہ جن کی تعدیل ابن معین شعبہ اور ابن مدینی وغیرہم کر چکے ہوں کیا مؤثر ہو سکتی ہے۔

خامساً۔ علی سبیل التنزل بالفرض چند روایتوں میں اگر امام صاحب

سے خطا ہوگئی ہو تو اس وجہ سے وہ غیر ثقہ اور سیئ الحفظ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام صاحب دوسرے محدثین اور حفاظ حدیث کی طرح حافظ حدیث تھے۔ ان کے سینے میں لاکھوں احادیث موجود تھیں۔ چند روایتوں اور راویوں میں مسامحت ہو جانے سے ان پر غیر ثقہ ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

(۵) محمد فریابی: محمد بن یوسف فریابی جن کو ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری ص۴۱۵ میں لکھا ہے۔

من کبار شیوخ البخاری و وثقہ الجمھور

بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں اور جمہور نے ان کی توثیق فرمائی ہے۔

ان کے متعلق اسی مقدمہ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے۔

قال العجلی ثقة وقد اخطأ فی مائة و خمسین حدیثاً و ذکر لہ ابن معین حدیثاً اخطأ فیہ فقال ھذا باطل۔

عجلی نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں اور انہوں نے ایک سو پچاس حدیثوں میں غلطی کی ہے۔ ابن معین کے سامنے وہ روایت بیان کی گئی جس میں انہوں نے غلطی کی تھی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ باطل ہے۔

(۶) اب ذرا بنظر انصاف غور کیا جائے کہ امام صاحب کی طرف تو پچاس یا بچھتر احادیث کی خطا کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور وہ بھی ثابت نہیں اور امام بخاری کے شیخ کی نسبت ڈیڑھ سو روایتوں میں غلطی کرنا حافظ ابن حجر کی معتبر کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اس کے جمہور نے نہ ان کو غیر ثقہ کہا اور نہ بخاری نے ان کو غیر ثقہ کہا اور نہ ان کی حدیث چھوڑی اور نہ ان کے حق میں سکتوا عن حدیثہ لکھا اور نہ محدثین نے بخاری کے

اصح الکتب ہونے سے انکار کیا۔ پس کیا وجہ ہے کہ بخاری کے استاد ڈیڑھ سو غلطیاں کرنے سے غیر ثقہ وردی الحافظہ نہ کہے جائیں۔

اور امام ابوحنیفہ خواہ مخواہ غیر ثقہ اور ردی الحافظہ بتائیں جائیں۔ کیا انصاف ودیانت اسی کا نام ہے۔ یہ محض بغض وحسد نہیں تو اور کیا ہے۔

ذھبہ ما قال ابن المبارک	ابن مبارک نے کیا عمدہ فرمایا۔ جا رہے
فلعنۃ ربنا اعداد رمل	پروردگار کی بے شمار لعنتیں ہوں اس شخص پر
علی من رد قول ابی حنیفة	جو امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرے۔

سادسًا ابن جوزی کے خیالات کو خود ان کے خاندان کے دانشمند انصاف پسند شخص نے رد کر دیا ہے۔ "تنویر الصحیفہ" میں ہے۔

اما ابن الجوزی فقد تابع	رہے ابن جوزی تو انھوں نے خطیب کی
الخطیب وقد عجب سبطه	پیروی کی ہے۔ اور ان کے نواسے نے
منه حیث قال فی مرآة الزمان	اس پر بہت تعجب کیا چنانچہ مرآۃ الزمان میں
ولیس العجب من الخطیب	فرماتے ہیں خطیب پر تعجب نہیں ہے، وہ
فانه طعن فی جماعة من	جماعت علماء میں طعن کرتے ہیں۔ تعجب تو
العلماء وانما العجب من	نانا جان پر ہے کہ انھوں نے خطیب کا
الجد کیف سلك اسلوبه	راستہ کیوں اختیار کیا اور ان سے بھی
وجاء بما هو اعظم	بڑھ گئے۔

قال فی المیزان ص فی ترجمة	میزان ص میں فرماتے ہیں اور ایسے ہی
ابان بن یزید وقد اورده	ابان بن یزید کے ترجمہ میں بھی آیا ہے کہ
ایضا العلامة ابو الفرج بن الجوزی	علامہ ابوالفرج جوزی نے بھی ابان بن یزید کو

في الضعفاء ولم يذكر فيه
اقوال من وثقه وهذا من
عيوب كتاب ابن الجوزي
ويسكت عن التوثيق

ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے اور
ان کی توثیق کرنے والوں کا بالکل تذکرہ
نہیں کیا۔ یہ ان کی کتاب کا بہت بڑا
عیب ہے کہ جرح کو بہت اچھی طرح
بیان کرتے ہیں اور توثیق کا بالکل تذکرہ
نہیں کرتے۔

تنبیہ: جارحین کی فہرست میں علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی داؤد اور ابوحفص عمر بن علی کا نام لکھا گیا ہے۔ ہم نے ابن جوزی کے جواب میں ایسی تقریر لکھدی ہے کہ ان حضرات کی جرح کا جواب بھی معلوم ہوگیا۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: ابن جوزی کی کتاب المنتظم ہندوستان میں نایاب ہے پٹنہ وغیرہ کے مشہور کتب خانوں میں بھی یہ کتاب موجود نہیں ہے اور نہ کسی دوسری کتاب میں یہ روایتیں پائی جاتی ہیں۔ البتہ عنایہ تخریج ہدایہ کے حاشیہ پر سے بحوالہ المنتظم یہ روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ بہرحال اصل کتاب اور ان روایتوں کی سند کا کچھ پتہ نہیں۔ لہذا ان روایات سے استدلال کرنا غلط اور محض غلط ہوگا۔

تفتیش اور جستجو سے معلوم ہوا کہ کتاب المنتظم جامع ازہر قاہرہ اور مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں موجود ہے۔

محمد اسمٰعیل سنبھلی غفرلہ

۱۷ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

(۸) خطیب بغدادی: خطیب صاحب کی کوئی خاص عبارت ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ امام صاحب کے متعلق خود ان کا خیال کیا ہے وہ تو بحیثیت ایک مورخ کے مختلف روایات و اقوال کو اپنی کتاب میں جمع کر دیتے ہیں، علاوہ ازیں جو روایتیں تاریخ خطیب سے نقل کی جاتی ہیں ان کی صحت ثابت نہیں، ابن جزلہ حکیم بغدادی نے مختصر تاریخ خطیب میں امام ابوحنیفہؒ کی خوب مدح و ثنا کی ہے اور خطیب بغدادی کو نہایت درجہ کا متعصب اور ناانصاف بتلایا ہے۔ خطیب بغدادی نے فقط امام ابوحنیفہؒ کی رد و قدح ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ امام احمد بن حنبل وغیرہ کی شان میں بھی رطب و یابس روایات نقل کی ہیں۔ جس طرح سے حضرت امام احمد وغیرہ حضرات کے بارے میں خطیب کا قول غیر معتبر اور مدفوع تصور کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں غیر معتبر اور غلط خیال کرنا چاہیے۔

نوٹ: تاریخ خطیب مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

محمد اسمٰعیل عفی عنہ

ربیع الاول [illegible]

(۹) حافظ ابن عبد البر: معترضین کی طرف سے تمہید شرح مؤطا ص۲۴ سے یہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ افرط بعض اصحاب الحدیث في ذم ابي حنيفة وهو سيء الحفظ عند اهل الحديث

الجواب: اقول اولاً حافظ ابن عبد البر نے نہایت صراحت کے ساتھ اپنی کتاب العلم میں امام ابوحنیفہؒ کی توثیق و تعدیل ائمہ فن رجال جیسے یحییٰ بن معین، شعبہ، حافظ موصلی ازدی اور علی بن المدینی وغیرہم سے نقل

کی ہے اور جارحین کو مفرط اور متجاوز الحد قرار دیا ہے۔

کتاب العلم صـ۱۹۲ میں ہے۔

قال ابو عمر افرط اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفۃ و تجاوزوا الحد فی ذالک

ابو عمر نے فرمایا کہ اہل حدیث نے امام ابو حنیفہ کی برائی میں بہت مبالغے سے کام لیا اور حد سے تجاوز کر گئے۔

وایضاً صـ۱۹۳

الذین رووا عن ابی حنیفۃ و وثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ

جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی اور ان کی توثیق و تعریف کی۔ ان کی تعداد کلام کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

ابن حجر مکی شافعی خیرات حسان صـ۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الحافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بعد کلام ذکرہ و اہل الفقہ لا یلتفتون من طعن علیہ ولا یصدقون بشیئ من السوء ینسب الیہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ کلام کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ فقہاء امام صاحب پر طعن کرنے والوں کی طرف بالکل التفات نہیں کرتے اور ان کی جانب منسوب کی جانے والی کسی برائی کی تصدیق نہیں کرتے۔

جبکہ خود ابن عبد البر کی تصریح سے امام صاحب کی توثیق ثابت ہے تو اب سمجھنا چاہیئے کہ

ہو سیئ الحفظ عند اہل الحدیث

اہل حدیث کے نزدیک ان کا حافظہ خراب تھا

سے کیا مراد ہے، کیا کل اہل حدیث مراد ہیں یا بعض۔ کل تو مراد نہیں

ہو سکتے۔ کیونکہ وہ مجہول کہہ چکے ہیں۔

والذین وثقوہ واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ	امام صاحب کی توثیق و تعریف کرنے والے کلام کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔

پس لامحالہ بعض مراد ہیں۔ پھر وہ بعض بھی بہت تھوڑے سے ہیں۔

حافظ ابن عبد البر کے کلام سے نتیجہ صاف یہ نکلا۔

ھو سیء الحفظ عند اقل اھل الحدیث الذین ھم مفرطون ومتجاوزون عن الحد فی ذمہ وغیر مصدقین عند اھل الفقہ فی نسبۃ السوء الیہ	کہ امام صاحب بعض ان اہل حدیث کے نزدیک سیئ الحفظ ہیں جو امام صاحب کی برائی میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور جو فقہاء کے نزدیک امام صاحب کی طرف برائی کی نسبت کرنے میں بالکل جھوٹے ہیں۔

اب مقام غور ہے کہ کیا اس جرح سے امام ابو حنیفہؒ سیئ الحفظ ہو سکتے ہیں۔ حاشا و کلا ہرگز نہیں، بلکہ حسب تحریر حافظ ابن عبد البر خود جارح مفرط اور متجاوز عن الحد کہے جائیں گے۔

ثانیاً: بخاری کے ثقہ راوی ایوب بن سلیمان کو حافظ ابن عبد البر نے ضعیف کہا ہے۔ مگر محدثین نے اسے افراط قرار دیا ہے (مقدمہ فتح الباری ص۳۹۳) اور صحاح کے راوی زہیر بن محمد کو بھی ابن عبد البر نے ضعیف بتلایا ہے مگر محدثین نے افراط پر محمول کیا ہے۔

(مقدمہ فتح الباری ص۳۹۵)

غور کیا جائے بخاری کے راویوں پر ابن عبد البر کی جرح افراط پر محمول کی جاتی ہے تو امام ابو حنیفہ کے حق میں کیوں نہ محمول ہوگی۔

مثلاً۔ تمہید شرح موطا حافظ ابن عبد البر کی اوائل تالیفات میں سے ہے اور کتاب جامع بیان العلم بعد کی تصنیف ہے۔ چنانچہ مختصر جامع بیان العلم ص۲۰۳ میں ہے۔

وادخلها فی کتاب التمهید — اور میں کتاب التمہید میں وضاحت کر چکا ہوں

پس ان کی پہلی تحریر آخری تحریر (جس میں امام صاحب کی توثیق کی گئی ہے) کے معارض نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام صاحب کی توثیق کی ہے، اور تقریب التہذیب و تہذیب التہذیب میں کوئی لفظ تضعیف کا نہیں لکھا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں کتابیں خاص فن رجال کی ہیں جس کا موضوع جرح و تنقید رجال کے اور کچھ نہیں۔ پس ابن حجر کی طرف تضعیف کا انتساب قابل بحث ہے۔ باقی درایہ تخریج ہدایہ میں جو حافظ ابن حجر نے بیہقی اور دار قطنی کی تضعیف نقل کی ہے، اگر مان لیا جائے کہ وہ حکایت نہیں ہے تب بھی اس میں شک نہیں کہ وہ جرح مبہم ہے اور اصول میں مذکور ہے کہ تعدیل و جرح جب دونوں مبہم ہوں تو تعدیل مقدم ہوگی۔ خود حافظ ابن حجر نے شرح نخبۃ الفکر میں اسی اصول کو لیا ہے۔ پس اصول کے مطابق یہی کہا جائے گا کہ ابن حجر کی تعدیل ان کی جرح پر مقدم ہوگی اور یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ ابن حجر نے ابو حنیفہ کو ضعیف اور سئی الحافظہ کہا ہے۔ جب کہ معترضین کا خیال فاسد ہے۔ دیکھو حافظ ابن حجر نے خود لسان المیزان کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

فوجب حمل قولهم ان الجرح لا یقبل الا مفسرا هو فیمن اختلف فی توثیقه و تجریحه۔

یعنی ان کے قول "جرح جب تک مفسر نہ ہو قابل قبول نہیں" کی توجیہ یہ ہے کہ یہ ان حضرات کے بارے میں ہے جن کی توثیق و تجریح میں اختلاف ہو۔

(۱۱) امام احمد بن حنبلؒ کی کوئی عبارت کسی بھی معتبر
کتاب سے حضرت امام احمدؒ کی پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا حضرت امام احمد
ابن حنبلؒ کی جانب تضعیف ابی حنیفہؒ کی نسبت کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے۔
اور بحوالہ تاریخ خطیب جو عبارت نقل کی جاتی ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے
کہ امام ابو حنیفہ سے روایت نہیں لینی چاہیے۔

الجواب اولاً۔ بر تقدیر ثبوت عبارت یہ جرح مبہم ہے۔

ثانیاً۔ حسب تصریح ابن حجر مکی شافعی خطیب بغدادی نے جو قدح
میں امام ابو حنیفہ کی روایتیں نقل کی ہیں وہ غیر معتبر و ضعیف الاسناد ہیں۔
(خیرات حسان ص ۔۔)
ابن معترضین کو چاہیے کہ اس روایت کی سند نقل کر کے اس کی صحت
ثابت کریں۔

ثالثاً۔ حسب قاعدہ معترضین چونکہ امام احمدؒ خود مجروح ہیں تو ان کی
جرح امام صاحب کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتی۔ تنویر الصحیفہ میں خطیب نے
امام احمد پر جرح کی روایات کو نقل کیا ہے۔

(۱۲) قاضی ابو یحییٰ زکریا۔ الفیہ عراقی کے حاشیہ ص ۔۔ سے ذکر
اصل کتاب سے فتح الباقی کی یہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ (فتح الباقی مدینہ
منورہ کے کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے)

فیکون قادحا کذا فسر الذہبی	پس وہ قادح ہوگا امام ابو حنیفہ کے بارے
وابن عبد البر وابن عدی و	میں کہ ان کا حافظہ کمزور تھا جیسا کہ ذہبی،
نسائی والدارقطنی فی ابی حنیفۃ	ابن عبد البر، ابن عدی، نسائی اور دار قطنی
انہ ضعیف من قبل حفظہ	نے تفسیر فرمائی

اقول اولاً۔ قاضی ابو یحییٰ زکریا متأخرین سے ہیں۔ انھوں نے ۸۹۳ھ میں فتح الباقی تصنیف کی ہے۔ بعض حضرات نے ان کو ابن ہمام اور ابن حجر کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ان کی وفات ۹۲۶ھ میں ہوئی ہے۔ یہ خود کوئی امام فن نہیں بلکہ متقدمین سے ناقل ہیں۔ اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ انھوں نے جو فتح الباقی میں یہ تحریر فرمایا ہے۔ فیکون قادحا۔ نفس الامر کے مطابق ہے یا نہیں؟ حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ اجتہادی قول ان کا مسامحہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ امام ذہبی سے امام صاحب کی توثیق بخوبی ثابت ہے۔ چہ جائیکہ جرح مفسر اور ابن عدی اور دارقطنی سے بھی جرح مفسر منقول نہیں۔ باقی رہے نسائی سو وہ متعنت اور متشدد ہیں۔

کما بیناہ من قبل

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے۔

پس ان کی جرح کس طرح قادح ہوگی۔ اور حافظ ابن عبد البر خود امام صاحب کے معتقد اور موثق ہیں اور تمہید میں جو لکھا ہے سیئ الحفظ عند اھل الحدیث ہم نے انہی کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل حدیث سے بعض اہل حدیث مفرط اور متعنت وزعن کی مراد ہیں۔ پس یہ جرح بھی قادح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ صاحب فتح الباقی نے کمال تحقیق سے کام نہیں لیا اور بغیر تعمق نظر کے امام ابو حنیفہؒ کو مجروح لکھ دیا ہے۔

ثانیاً۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ مان لیں کہ حسب قول صاحب فتح الباقی ان لوگوں سے جرح مفسر ثابت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کی عدالت، وثاقت، امانت اور جلالت شان ائمہ سلف صالحین و ائمہ فن سے ثابت ہو اس کے حق میں جرح مفسر بھی قادح نہیں ہوتی۔ دیکھو سبکی کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کے حق میں اگر ہزاروں طریقے سے جرح مفسر

بیان کی جائے ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ فرماتے ہیں۔

ولا یقبل قوله (ابن معین)	اور ابن معین کا قول امام شافعی کے
فی الشافعی ولو فسره وبین بالف	بارے میں قابل قبول نہیں، چاہے ہزار واضح
ایضاح لقیام القاطع انه غیر	طریقہ سے مفسر ہو اس لئے کہ عدم ثبوت
محقق بالنسبة الیه	پر دلیل قاطع قائم ہو چکی ہے۔

(الطبقات الشافعیہ صفحہ ۱۹۰)

پس ثابت ہوا کہ صاحب فتح الباری کا قول خلاف تحقیق اور غیر ثابت ہے۔

(۳) حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب مصفّیٰ شرح موطا سے ایک مضمون نقل کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مولانا دہلوی نے امام ابوحنیفہ کو ضعیف اور سیّئ الحافظہ قرار دیا ہے۔

(قول) اولاً حضرت شاہ صاحب کی طرف تضعیف کا انتساب کتنی غلط اور فریب ہے۔ ملاحظہ فرمایئے مصفّیٰ شرح موطا کی عبارت یہ ہے۔

بالجملہ این چہار امامان کہ عالم را علم	حاصل کلام یہ چاروں امام جن کے
ایشان احاطہ کردہ است امام ابوحنیفہ	علم نے تمام عالم کا احاطہ کر لیا ہے۔
و امام مالک و امام شافعی و امام احمد	امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور
این دو امام متأخر شاگرد امام ابوحنیفہ	امام احمد، یہ بعد کے دو امام امام ابوحنیفہ
و امام مالک بودند و مستفید اند از علم	اور امام مالک کے شاگرد اور ان کے
او و عصر تبع تابعین بودند مگر	علم سے فیض یاب ہونے والے ہیں
ابوحنیفہ و امام مالک آن یک شخصے	اور تبع تابعین کے دور کے عارف امام
کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و	ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں۔ وہ امام کہ

مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجه و دارمی یک حدیث از وے در کتابہائے خود روایت نکرده اند و رسم روایت حدیث از وے بطریق ثقات جاری نشد و آں وجہِ ضعف است کہ اہل نقل اتفاق دارند بر آنکہ چوں حدیث روایت او ثابت شد بدرجهٔ اعلیٰ صحت رسید۔	ہیں ان سے رؤس المحدثین مثلاً احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی کتابوں میں ایک روایت بھی نقل نہیں کی ہے۔ اور ثقات کی طرح روایت حدیث کا طریقہ ان سے جاری نہ ہوا۔ اور دوسرے امام وہ ہیں کہ جن پر اہل نقل کا اتفاق ہے کہ جو حدیث ان سے ثابت ہے، وہ صحت کے بلند ترین مقام تک پہنچ گئی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی عبارت میں دو مضمون قابل غور اور لائق توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ امام ابوحنیفہ سے رؤس محدثین نے ایک حدیث بھی روایت نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ معتبر راویوں سے ان کی روایت جاری نہیں ہوئی۔

اول مضمون اگر صحیح بھی ہو

و ثانی فیه نظر کما ستعرفه	میرے نزدیک یہ قابل غور ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔

تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف ہرگز لازم نہیں آتی۔ ہزاروں ثقہ راوی ہیں کہ بعض نے ان سے روایت کی ہے اور بعض نے نہیں کی ہے کسی کی ترک روایت سے تضعیف کا اثبات محض ایک غلط خیال ہے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر دوسرا مضمون صحیح مان لیا جائے تو اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایت معتبر

واسطہ سے جاری نہیں ہوئی۔ نہ یہ کہ خود وہ ضعیف تھے۔ دیکھئے مسند و سنن و مسانید و معاجم ہیں جن کے مؤلف خود ثقہ ہیں مگر مثلاً موطا کے ان کی حدیثیں معتبر واسطہ سے مروی نہیں تو کیا اس وجہ سے وہ ضعیف کہے جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔

مسند امام شافعی، مسند امام احمد، مسند ابو یعلی، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، سنن دارمی، معجم طبرانی، صغیر و کبیر وغیرہ کو دیکھو طبقہ ثالثہ کی کتابیں ہیں۔ ان میں ضعاف روایتیں بھری ہیں مگر باوجود اس کے ان کے مؤلفین غیر ثقہ نہیں سمجھے جاتے۔ درحقیقت شاہ صاحب کی عبارت سے غلط مضمون اخذ کیا گیا ہے ورنہ مولانا دہلوی کی عبارت سے ہرگز امام ابوحنیفہ کی تضعیف ثابت نہیں ہوتی۔

ثانیاً: تقریب و تہذیب التہذیب اور خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نسائی و ترمذی کے راوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں پس یہ دعویٰ کہ اصحاب صحاح ستہ نے ان سے روایت نہیں کی سرے سے غلط ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ مصفی کی ترتیب و تہذیب حضرت شاہ صاحب نے خود نہیں کی تھی بلکہ مسودات غیر مرتب چھوڑ کر مولانا نے رحلت فرمائی۔ وفات کے پانچ چھ ماہ بعد آپ کے تلمیذ خاص مولانا محمد عاشق صاحب نے اس کو مرتب کیا ہے۔ جیسا کہ اس امر کو خود مولوی صاحب موصوف نے کتاب کے اخیر میں لکھ دیا ہے۔ لہٰذا یہ مضمون کہ اصحاب صحاح ستہ نے امام صاحب سے روایت نہیں کی

اگرچہ مصفی میں موجود ہے چونکہ معنی غلط ہے ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ مولانا دہلوی کے قلم سے نہ نکلا ہوگا۔ شاید مرتب کتاب سے غلطی ہوگئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ثالثاً: مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز اپنی کتاب فیوض الحرمین صـ۴۸ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عرفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان فی المذهب الحنفی طریقة انیقة هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه

مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ سے بہت موافق ہے جس کو امام بخاری وغیرہ کے زمانہ میں وضاحت کے ساتھ جمع کیا گیا۔

مقام غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولانا ممدوح کو یوں تلقین فرمائی کہ مذہب حنفیہ میں ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروف کے ساتھ موافق تر ہے۔ باوجود اس کے مولانا ممدوح امام صاحب کو متروک الحدیث کیوں فرمائیں گے۔ کمیٹی ثان کی جس قدر جرحیں امام ہمام ابوحنیفہ پر نقل کی جاتی ہیں ان کا تفصیلی جواب ہم لکھ چکے۔ باقی ان کے علاوہ مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، وکیع بن الجراح، عمرو الناقد، ابن القطان، ابو اسحاق الفزاری، طاؤس، زہری، ہشام بن عروہ، جلال الدین سیوطی اور عبدالرؤف مناوی کے نام فہرست میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے سی الحافظ اور ضعیف کہنے والوں کی تعداد

بڑھائی جاتی ہے۔ یہ بجز اظہار حسد اور مغالطہ دہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اب ہم معترضین کے چند مشہور اقوال نقل کرکے ان کا رد کرتے ہیں تاکہ معترضین کی عداوت تعصب اور حسد امام صاحب کے ساتھ ظاہر ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ابوداؤد صفحہ ۲۵ میں ہے۔

قال ابو علی سمعت ابا داؤد یقول لیس لحدیث اهل الکوفة نور

ابو علی نے فرمایا کہ میں نے ابوداؤد سے سنا وہ فرماتے تھے اہل کوفہ کی حدیث میں نور نہیں ہے۔

اقول اولاً۔ اس عبارت سے نہ امام ابوحنیفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی کوفی کی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام احمدؒ ایک خاص حدیث من ادعی الی غیر ابیہ، جو بواسطہ ابوعثمان مروی ہے۔ اس میں سماع کی تصریح ہے کیونکہ یہ حدیث بطریق حدثنی مروی ہے اور کوفہ کے لوگوں نے اس حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی ہے۔ امام احمدؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی یعنی کوفیوں کی یہ حدیث من حیث السماع روشن اور واضح نہیں ہے بھلا اس عبارت کو جرح سے کیا تعلق ہے۔

ثانیاً۔ اگر اس خیال کو صحیح فرض کر لیا جائے تو پھر اس عبارت سے تمام اہل کوفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ بخاری، مسلم، مسند احمد، سنن اربعہ، دارقطنی، مسند شافعی اور موطا امام مالک میں کئی ہزار راوی کوفی ہیں جیسا کہ اسماء الرجال سے ثابت ہے۔ پس تمام کتابیں حدیث کی حسب خیال معترضین ردی اور ضعیف ٹھہریں گی۔

ثالثاً۔ اگر معترضین کے نزدیک اہل کوفہ سب کے سب ضعیف ہیں

تو امام احمدؒ نے ہی کوفہ کی بعض اسانید کو اصح الاسانید کیوں فرمادیا ملاحظہ ہو۔

تدریب الراوی ص۳۳

قال عبد الله بن احمد عن ابيه ليس بالكوفة اصح من هذا الاسناد يحيى بن سعيد القطان عن سفيان الثوري عن سليمان التيمي عن الحارث بن سويد عن علي رض

عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کا قول نقل فرمایا کہ اسناد اہل کوفہ میں یہ سند سب سے زیادہ صحیح ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کیا سفیان ثوری سے انھوں نے سلیمان تیمی سے انھوں نے حارث بن سوید سے انھوں نے حضرت علیؓ سے

رابعاً۔ حدیث نبوی صلعم سے امام ابوحنیفہ اور اویس قرنی کی تعریف ثابت ہے حالانکہ یہ لوگ کوفی تھے۔ چنانچہ حافظ سیوطی تبییض الصحیفہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقد بشر صلى الله عليه وسلم بالامام ابي حنيفة في الحديث الذي اخرجه ابو نعيم في الحلية عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس فهذا اصل صحيح يعتمد عليه في البشارة و الفضيلة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ابوحنیفہ کے لئے اس حدیث میں بشارت سنائی ہے جس کو ابونعیم نے حلیہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو اس کو فارس کے بعض لوگ حاصل کرلیں گے۔ یہ بشارت و فضیلت کے سلسلہ میں بہت صحیح اصل ہے۔ قابل اعتماد ہے۔

اور سیوطی کے شاگرد محمد بن یوسف دمشقی شافعی نے لکھا ہے۔

وما جزم به شيخنا من ان ابا حنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لا شك فيه لانه لم يبلغ من ابناء فارس مبلغه احد

ہمارے شیخ نے جو اس حدیث سے امام ابوحنیفہ کو مراد لیا ہے وہ بلاشبہ بالکل صحیح و ظاہر ہے اس لئے کہ ابناء فارس میں امام ابوحنیفہ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچا۔

اور حافظ ابن حجر شافعی خیرات حسان ص۱۳ میں لکھتے ہیں۔

ومما يصح الاستدلال به على عظم شان ابي حنيفة رحمة الله عليه ما روي انه عليه الصلوة والسلام قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة

وہ جس سے امام ابوحنیفہ رح کی عظمت شان پر استدلال کیا جا سکتا ہے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ایک سو پچاس سال تک بلند ہوتی رہے گی۔

اب حضرت اویس قرنی کی مدح میں روایت ملاحظہ ہو۔

التفسیر میں ہے۔

والشرف اولياء اهل الكوفة

حضرت اویس قرنی کوفہ کے ولی ہے۔

نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وصرح المصنف الحاق اويس بحديث عمر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان خير التابعين رجل يقال له اويس

حدیث عمر کی وجہ سے تابعین اویس ہ کو مصنف نے شروع کیا ہے میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تابعین میں بہترین شخص وہ ہیں جن کا نام اویس ہے۔

اور خود امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔
اب بنظر انصاف دیکھا جائے کہ خود امام احمدؒ اپنی مسند میں حدیث
نبوی سے بعض اہل کوفہ کی مدح و تعریف ثابت کر رہے ہیں تو پورے تمام
اہل کوفہ کو ضعیف اور غیر معتبر کیونکر کہیں گے۔ ایسے اعتراضات سے شرم
کرنی چاہیئے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

رہا ٹیڑھا مثال نیش کژدم
کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا

کہا جاتا ہے کہ تدریب الراوی صفحہ ۲۳ میں ہے۔

قال مالك اذا خرج الحديث من الحجاز انقطع نخاعه

امام مالک نے فرمایا کہ حدیث جب حجاز سے نکل جاتی ہے تو اس کا مغز منقطع ہو جاتا ہے۔

اور امام شافعیؒ کا قول ہے۔

اذا لم يوجد للحديث من الحجاز اصل ذهب نخاعه

جب کسی حدیث کا ثبوت حجاز سے نہ ہو تو اس کا مغز جاتا رہتا ہے۔

اور طاؤس نے کہا ہے۔

اذا حدثك العراقي مائة حديث فاطرح تسعة وتسعين وكن من الباقي في شك

اگر تجھ سے کوئی عراقی سو حدیثیں بیان کرے تو ان میں سے ننانوے حدیثوں کو پھینک دے اور ایک میں شک کر۔

اور زہری نے کہا ہے۔

ان في حديث اهل الكوفة دغلا كثيرا

اہل کوفہ کی حدیث میں بہت دھوکا ہے۔

اور خطیب نے کہا ہے۔

ان روایاتہ کثیر ما انرو علی قلیلۃ السلامۃ من الخلل۔

ابی حنیفہ کی روایتیں وہم کے سبب بھری ہوتی ہیں، اور گڑبڑی سے بہت کم محفوظ ہوتی ہے۔

اقول اولاً۔ ان اقوال سے نہ ابو حنیفہ کی تضعیف ثابت ہوتی ہے اور نہ کسی عراقی راوی کی اور نہ قاعدہ اصول پر جرح کے اقوال ہیں یہ خاص خاص مواقع پر خاص وجوہ کی بنا پر ان حضرات نے یہ باتیں لکھی ہیں۔

ثانیاً۔ اگر حسب خیال معترض یہ جرح کے کلمات ہیں تو دنیا سے حدیث کا نام مٹ جائے گا۔ کیونکہ حسب قول امام مالکؒ و امام شافعیؒ ہر حدیث کی اصل مکہ مدینہ سے ملنی چاہیے اور حسب قول زہری عراقی یعنی بصری و کوفی اور بغدادی وغیرہم کی روایات فی صدی ایک ہی قابل اعتبار ہوگی اور حسب قول ہشام بن عروہ عراقی کی فی ہزار نو سو سے احادیث متروک اور دس احادیث محتمل الصحۃ ہوں گی کما فی تدریب الراوی۔

وقال ھشام بن عروۃ اذا حدثک العراقی بالف حدیث فالق تسع مائۃ وتسعین وکن من الباقی فی شک۔

ہشام بن عروہ نے کہا اگر تجھ سے کوئی عراقی ایک ہزار حدیثیں بیان کرے تو ان میں نو سو نوے کو ترک کر دے اور دس حدیثوں میں شک کر رہ۔

اب معترضین اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر احادیث کی جانچ کریں جتنی کتابیں احادیث کی موجود ہیں۔ مثلاً بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ مسند امام اعظم۔ مسند امام شافعی۔ مسند ابوداؤد۔ طیالسی۔ معجم طبرانی۔ صغیر۔ دارقطنی۔ موطا امام مالک اور سنن دارمی وغیرہا میں سے

خاص حجاز کی روایات انتخاب کریں اور سب روایات چھوڑ دیں۔ پھر حجاز کی روایتوں میں اگر کوئی راوی بصری، کوفی، بغدادی ہو تو اس کو چھوڑ دیں پھر ان احادیث میں اگر کوئی ایسا راوی ہو کہ اس پر کسی قسم کی جرح کسی سے منقول ہو تو اس کو بھی چھوڑ دیں۔ اس کے بعد دیکھیں کہ ان کے ہاتھ میں کتنی حدیثیں صحیح باقی رہتی ہیں۔

ہمارے خیال میں نماز روزہ کی احادیث بھی ان کے پاس باقی نہ رہیں گی تو پھر اہل حدیث کا لقب بھی کذب صریح اور غلط ہو گا۔ نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عراق میں ہزاروں صحابہ موجود تھے۔

کما قال ابن الھمام ان الفقہ انتشرت فی البلاد وخصوصا العراق۔	ابن ہمام نے فرمایا کہ صحابہ مختلف شہروں میں منتشر ہو گئے تھے خصوصاً عراق میں۔
قال العجلی فی تاریخہ نزل الکوفۃ الف وخمسین ماتۃ من الصحابۃ۔	عجلی نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ قیام پذیر ہو گئے تھے۔

انصاف کرنا چاہئے کہ جس جگہ ڈیڑھ ہزار صحابہ موجود ہوں اور شب و روز قال اللہ وقال الرسول کا ذکر ہو وہاں کے لوگ حدیث سے ناواقف کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور ان کی روایت محض عراقی و کوفی ہونے کی وجہ سے کیوں متروک ہو گی۔

کہا جاتا ہے کہ قیام اللیل صہ۱۲۳ میں ہے۔

قال ابن المبارک کان ابوحنیفۃ یتیما فی الحدیث	امام ابوحنیفہؒ حدیث میں یتیم تھے۔

اقول اولاً: یہ کوئی کلمہ جرح کا نہیں ہے اور نہ امام صاحبؒ کی اس سے تضعیف ثابت ہوتی ہے کیونکہ یتیم کے معنی محاورہ میں یکتا اور بے نظیر کے بھی آتے ہیں۔ صحاح صفحہ ۳۳۹/۲ میں ہے۔

وکل شیء مفرد بغیر نظیرہ فھو یتیم فقال درۃ یتیمۃ	ہر وہ چیز جس کا ثانی نہ ہو وہ یتیم کہلاتی ہے اس لئے درِ یتیم کہا جاتا ہے۔
قال الاصمعی الیتیم الرملۃ المنفردۃ قال وکل منفرد ومنفردۃ عند العرب یتیم ویتیمۃ	اصمعی نے کہا یتیم ریت کے ایک ٹیلے کو کہتے ہیں اور کہا ہر اکیلی چیز کو یتیم کہا جاتا ہے۔

پس عبداللہ بن مبارک کے قول کا یہ مطلب ہوا امام ابوحنیفہؒ حدیث میں یکتا اور بے نظیر تھے۔ چنانچہ اس کی تائید خود ابن مبارکؒ کے دوسرے قول سے ہوتی ہے۔

مناقب کردری صفحہ ۲۲۹/۱ میں ہے۔

عن ابن المبارک قال اغلب علی الناس بالحفظ والفقہ والصیانۃ والدیانۃ وشدۃ الورع	ابن مبارک نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ حافظہ، فقہ، علم، پرہیزگاری و دیانت اور تقویٰ میں سب لوگوں پر غالب تھے۔

عبداللہ بن مبارک امام صاحب کے شاگرد تھے۔ انھوں نے حضرت امام اعظم کی بہت زیادہ تعریفیں کی ہیں۔ مناقب موفق ابن احمد مکی صفحہ ۳۵/۱ میں ہے۔

سوید بن نصر کہتے ہیں۔

سمعت ابن المبارک یقول لا تقولوا رأی ابی حنیفۃ ولکن قولوا تفسیر الحدیث

وایضا فیہ قال المحروم من لم یکن لہ حظ من ابی حنیفۃ

وایضا۔ قال عبد اللہ بن المبارکؒ ھاتوا فی العلماء مثل ابی حنیفۃ والا دعونا ولا تعذبونا۔

وایضا۔ قال علیکم بالاثر ولا بد للاثر من ابی حنیفۃ یعرف بہ تاویل الاحادیث ومعناہ

ابن مبارک فرماتے تھے یہ نہ کہو کہ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔

نیز فرمایا جس نے امام صاحب سے کچھ حاصل نہیں کیا وہ محروم ہے۔

عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا تمام علماء میں امام ابوحنیفہ جیسا کوئی عالم پیش کرو ورنہ ہمیں چھوڑ دو اور ہمیں نہ ستاؤ۔

نیز فرمایا تمہارے اوپر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث کے سمجھنے کے لئے امام ابوحنیفہ کا قول ضروری ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ حدیث کا صحیح تاویل اور معنی معلوم ہو جائیں۔

اور بہت سے اقوال عبد اللہ بن مبارک کے امام صاحبؒ کی شان میں شائع اور کتابوں میں مذکور ہیں پس معلوم ہوا کہ معترض نے جو عبد اللہ بن مبارک کو جارح امام صاحب سمجھا ہے یہ محض نفس پرستی اور غلط فہمی ہے۔

ثانیاً۔ بر تقدیر تسلیم ممکن ہے کہ عبد اللہ بن مبارک نے یہ کلمہ اس وقت فرمایا ہو جب امام صاحب علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے اور علم حدیث و فقہ کا زیادہ اشتغال نہ رہا ہو۔ اور امام صاحب کی تعریفیں اور ان کی تعدیل و توثیق جو عبد اللہ بن مبارک نے کی ہے

وہ اس وقت کی ہوں جبکہ امام صاحب محدث و فقیہ ہو چکے تھے۔ لہذا عبداللہ بن مبارک کے دونوں قول صحیح ہو سکتے ہیں اور امام صاحبؒ پر کوئی حرف بھی نہیں آتا۔

کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کو حدیث میں چنداں دخل نہ تھا کل سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے۔ فابو حنیفہ یقال بلغت روایتہ الی سبع عشرۃ حدیثا۔

جواب۔ ابن خلدون نے کسی مجہول شخص کا قول نقل کیا ہے۔ جو غلط اور بدیہی البطلان ہے جیسا کہ تعبیر لفظ یقال ضعف منقول پر دال ہے۔ اور اسی جگہ صراحتہ یہ بھی مذکور ہے۔

وقد تقول بعض المتعصبین ان منہم من کان قلیل البضاعۃ فی الحدیث ولا سبیل الی ھذا المعتقد فی کبار الائمۃ لان الشریعۃ انما تؤخذ من الکتاب والسنۃ۔ الخ

درحقیقت امام صاحب کو ہزاروں احادیث اور ہزاروں آثار صحابہ معلوم تھے۔ مگر آپ نے چونکہ اشرف علم فقہ کو زیادہ پایا اس میں انھوں نے تدوین فرمائی اور وہ محقق اور مدون تھے اس لیے فقیہ مشہور ہوئے۔ اور چونکہ محدث الفاظ حدیث کا ذمہ دار ہوتا ہے اور فقیہ معانی احادیث کو زیادہ جانتا ہے اور استنباط مسائل کرتا ہے اس لیے اس کا مرتبہ زیادہ ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے باب غسل میت میں لکھا ہے۔ اور یہی فقہا نے فرمایا اور حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں امام صاحبؒ کو امام ذہبی نے حفاظت حدیث اور محدثین کے طبقہ خامسہ میں شمار کیا ہے جس طرح بہت سے اصحاب و تابعین اور محدثین

حدیث کو بشکل حدیث بہت کم بیان کرتے تھے بلکہ بشکل مسائل بیان کرتے تھے۔ اسی طرح امام صاحب نے بھی احادیث کو بشکل حدیث بیان نہیں کیا۔ البتہ مسائل مستنبط من الاحادیث کو بکثرت بیان کیا ہے۔ دوسرے قلیل الروایت ہونا قلیل العلم پر ہرگز دال نہیں۔ دیکھئے حضرت حسین رض کے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب تقصار میں لکھتے ہیں کہ:

ہشت حدیث از وے مروی است	ان سے صرف آٹھ حدیثیں مروی ہیں

کہا جاتا ہے کہ امام صاحب حدیث صحیح پر قیاس کو مقدم کر دیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے محدثین ائمہ فن نے ان کو امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

جواب: اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حدیث کو بالائے طاق رکھ کر محض قیاس سے کام لیتے تھے تو یہ محض غلط ہے۔ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین کا مصداق کامل بنایا تھا۔ اس لئے آپ کتاب و سنت کے معانی و مطالب کے سمجھنے میں عقل و قیاس کو بہت زیادہ دخل دیتے تھے اور ہر پہلو کو خوب اچھی طرح دیکھ لیتے تھے۔ دین کے بارے میں عقلاء زمانہ کے امام تھے۔ لہٰذا ائمہ فن نے ان کی تعریف میں امام اصحاب الرائے لکھا ہے۔

آپ کے احسن الرائے ہونے میں تو کچھ کلام ہی نہیں بڑے بڑے نقاد رجال نے آپ کی رائے کی تعریف کی ہے اور علامہ ذہبی نے تہذیب التہذیب میں اور دوسرے علماء نے اپنی تالیفات میں یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے۔

سمعت یحییٰ بن سعید القطان	یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

بقول لا اکذب علی اللہ ما	ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا حقیقت ہے
رأیت احسن من رأی ابی حنیفہ	کہ امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر میں نے کسی کی رائے نہیں دیکھی

قلتِ عربیت۔ مخالفین نے امام ہمام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو عربی بہت کم آتی تھی۔ چنانچہ اس میں ابن خلکان کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ جب ابو عمر نحوی نے امام صاحب سے پوچھا کہ کیا قاتل بالثقل پر قصاص ہے۔ تب امام صاحب نے فرمایا لا ولو رماہ بابا قبیس کہنا چاہیے تھا بابی قبیس یا بجر ذکر یا بابا قبیس بالنصب خود فرمایا ہے کہ عراق کوفہ کا مرکز رہا ہے۔ بڑے بڑے تمام نحوی وہیں ہوئے ہیں۔ ہزاروں اصحابہ وہاں وارد ہوئے جو فصاحت و بلاغت کے امام تھے حضرت امام ابو حنیفہ کا نشو و نما ان کی تربیت و تعلیم سب اسی ماحول میں ہوئی۔ بڑے بڑے نحو و لغت کے ائمہ خود امام صاحب کے تلامذہ ہیں تھے پھر نہ معلوم کس طرح امام صاحب کی طرف قلت عربیت کو منسوب کر دیا گیا۔ درحقیقت امام صاحب عربیت کے بھی پیشوا اور امام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو سعید سیرافی، ابو علی فارسی اور ابن جنی جیسے ماہرین عربیت نے باب الایمان میں امام صاحب کے الفاظ کی شرح کے لئے کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور لغت عربیہ پر آپ کی وسعت نظر اور وافر اطلاع پر اظہار تعجب کیا ہے۔

امام ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے اشعار حضرت امام شافعی کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور فصیح ہیں اور ظاہر ہے کہ عمدہ شعر بغیر بلاغت کے ممکن نہیں۔ (مناقب کردری ص۵۹)

امام صاحب پر قلت عربیت کا اعتراض کرنے والوں نے آپ کی طرف جو کلمہ رماه بابا قبیس منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ ہونا چاہیئے تھا بابی قبیس بالجر اور امام صاحب نے بابا قبیس بالنصب کہا جو قاعدہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ با حرف جارہ میں سے ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کلمہ امام صاحب سے کسی کتاب میں قابل اعتماد سند سے ثابت نہیں اور بالفرض صحیح بھی ہو تو بعض قبائل عرب کی وجہ سے کوفیوں کی لغت میں اب کا استعمال جب غیر ضمیر متکلم کی طرف ہو تو تمام احوال میں الف کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی قبیل سے یہ مشہور شعر بھی ہے۔

ان اباها وابا اباها   قد بلغا في المجد غايتاها

بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے

ظاہر ہے کہ امام صاحب بھی کوفی تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی لغت بھی یہی ہے جیسا کہ بخاری میں ہے کہ انھوں نے انت ابا جھل فرمایا۔ نیز ابا قبیس اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے اور ابو سعید سیرافی نے کہا ہے کہ یہاں امام صاحب کی مراد یہ ہی ہو سکتی ہے نہ جبل ابی قبیس جیسا کہ معترضین نے سمجھا ہے۔

فقہ حنفی کے مسائل کے ثبوت میں
احادیث و آثار

جماعت اہل حدیث کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ہے اور نہ ان مسائل کو ثابت کرنے کیلئے احناف کے پاس کوئی حدیث ہے۔ اس سلسلے میں یہ لوگ حنفیہ پر ہزاروں طرح سے زبان طعن و تشنیع دراز کرتے ہیں اس لئے ہم ان مسائل کے متعلق حدیث بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے ثبوت میں کوئی حدیث نہیں ہے تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے ثبوت میں حدیث نہ ہو اور کوئی ایک مسئلہ بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

ہمارا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ دوسری جانب حدیث نہیں ہے اور نہ ہم اس جگہ راجح مرجوح سے بحث کریں گے بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ حنفیہ ہرگز غلط راہ پر نہیں ہیں ان کے پاس مسائل کو ثابت کرنے کیلئے احادیث اور آثار صحابہ ہیں تاکہ عوام مخلصین تردد سے اور معترضین بدزبانی اور بدگمانی سے محفوظ رہیں۔

(۱) پہلا مسئلہ: امام کے پیچھے مقتدی کسی نماز میں بھی خواہ جہری ہو یا سری نہ الحمد پڑھے اور نہ سورت۔

حدیث نمبر ۱: عن ابی موسیٰ و ابی ہریرۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد مسلم شريف مشكوٰة شريف ص ٨١ ابوداؤد ونسائی وابن ماجه

کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اس حدیث کو مسلم ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے

حدیث ٣١ عن جابرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من كان له امام فقراءة الامام له قراءة ابن ماجه

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس شخص کی قرأت ہے روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

حدیث ٣٢ عن حارث عن علیؓ قال سأل رجل النبی صلی الله علیه وسلم اقرأ خلف الامام او انصت قال بل انصت فانه يكفيك رواه البيهقی فی كتاب القراءة

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا امام کے پیچھے میں قرأت کروں یا خاموش رہوں؟ آپ نے فرمایا خاموش رہو۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔

حدیث ٣٣ عن ابی جمرة قال قلت لابن عباسؓ اقرأ والامام بين يدی فقال لا طحاوی شریف

ابوجمرہ نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ امام کے پیچھے پڑھوں؟ حضرت نے کہا کہ نہیں۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

حدیث ٣٤ عن زرارة بن اوفی عن عمران بن حصين قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم ينهی عن القراءة خلف الامام رواه البيهقی فی كتاب القراءة

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأۃ خلف الامام سے منع فرمایا کرتے تھے۔ روایت کیا بیہقی نے کتاب القراءة میں۔

حدیث ۵: عن عبد اللہ بن زید بن اسلم عن ابیہ قال کان عشرۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہون عن القرآءۃ خلف الامام اشد النہی ابوبکر الصدیق وعمر الفاروق و عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب و عبد الرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و عبد اللہ بن مسعود و زید بن ثابت و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ دس شخص صحابہ جن کے نام حسب ذیل ہیں:
ابوبکر صدیق و عمر الفاروق
عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب و عبد الرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و عبد اللہ بن مسعود و زید بن ثابت و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔
قرأۃ خلف الامام سے سختی سے منع فرماتے تھے اس کو شارح عینی نے کتاب الاسرار سے نقل کیا ہے۔

اب دوسری حدیث:

الصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب

بغیر فاتحۃ الکتاب پڑھے نماز نہیں ہوتی

یہ اس شخص کیلئے ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو نہ مقتدی کیلئے چنانچہ ابوداؤد نے حضرت سفیان سے جو بہت بڑے محدث ہیں یہی معنی نقل کئے ہیں قال سفیان هذا لمن یصلی وحدہ (ابوداؤد ...) یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور اس کی تائید اس حدیث ترمذی سے بھی ہوتی ہے:

عن ابی نعیم وہب بن کیسان انہ سمع جابر بن عبد اللہ یقول من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام
ہذا حدیث حسن صحیح ترمذی ...

ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے سنا کہ جو کوئی ایک رکعت بھی ایسی پڑھے جس میں الحمد نہ پڑھی ہو تو گویا نماز نہیں ہوئی مگر جبکہ اس صورت سے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔

دوسرا مسئلہ: رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں کرے پھر نہ کرے۔

حدیث ۱: عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الا اول مرۃ وفی الباب عن براء بن عازب حدیث ابن مسعود حدیث حسن (ترمذی شریف ص ۳۵ ج ۱)

حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھاؤں پھر نماز پڑھائی اور صرف اول بار یعنی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ حسن ہے

حدیث ۲: عن براء ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود (ابو داؤد طحاوی ج ۱)

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک رفع یدین کرتے اور پھر نہ کرتے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے

آمین

تیسرا مسئلہ: آمین جہری نماز میں بھی آہستہ کہے۔

عن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال آمین خفض بها صوته (ترمذی ص ۳۴ ج ۱)

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آہستہ آواز سے آمین فرمائی۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

اور عینی میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمدؒ اور ابو داؤد طیالسی اور ابو یعلی موصلی اپنے مسانید میں اور طبرانی اپنے معجم میں اور دارقطنی اپنے سنن میں اور حاکم اپنے مستدرک میں ان لفظوں سے لائے ہیں وخفض بها صوته یعنی پوشیدہ آواز سے آمین فرمائی اور حاکم کتاب القراۃ میں لفظ خفض لائے ہیں اور حاکم نے اس حدیث کی نسبت یہ بھی کہا ہے کہ صحیح الاسناد ولم یخرجاہ یعنی اس کی سند صحیح ہے اور پھر بھی بخاری و مسلم نے اس کو

نہیں لاتے۔

(4) چوتھا مسئلہ: قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے۔

حدیث: عن ابی جحیفة ان علیا قال من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰة تحت السرة (ابو داؤد ج۱)

ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھا جائے۔ (ابو داؤد)

حدیث: ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھوں کو ہاتھوں پر نماز میں رکھنا سنت ہے ناف کے نیچے ہے۔ (ابو داؤد)

حدیث: عن ابی جحیفة ان علیا قال السنة وضع الکف فی الصلوٰة ویضعها تحت السرة (اخرجه ابن رزین المحرر) مجموعه کتاب الصلوٰة۔

حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت طریقہ نماز میں ہاتھوں کا رکھنا ہے اور ان کو ناف کے نیچے رکھا جائے۔ روایت کی رزین نے کتاب الصلوٰة۔

(5) پانچواں مسئلہ: عدم جلسہ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت سے جب اٹھنے لگے تو سیدھا کھڑا ہو جائے بیٹھے نہیں۔

حدیث: عن ابی هریرة قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه وقال ابو عیسیٰ حدیث ابی هریرة علیه العمل عند اهل العلم۔ ترمذی شریف ج۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں پر اٹھا کرتے تھے۔

روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

(6) چھٹا مسئلہ: جماعت میں شامل ہونے سے جس شخص کی رکعت چھوٹ جائے وہ بعد آپ اٹھ کے پڑھے۔

حدیث: عن ابی هریرة قال قال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس (ترمذی ص ٩٦ ج ١)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دو رکعت سنت نہ پڑھی ہو وہ ان دونوں کو بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے (ترمذی)

(6)

مسئلہ: وتر میں تین رکعت ہیں اور دو رکعت پر سلام نہ پھیرے لیکن دو رکعت پر التحیات کے لئے قعدہ کرے اور دعا قنوت رکوع سے قبل پڑھے اور قنوت سے پہلے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔

حدیث: عن ابی بن کعب قال کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر بسبح اسم ربك الاعلى وفي الثانية بقل يا ايها الكافرون وفي الثالثة بقل هو الله احد ولا يسلم الا في آخرهن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے اور دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ آخر میں پھیرتے تھے

حدیث: عن ابی بن کعب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلاث ركعات ويقنت قبل الركوع (نسائی شریف)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے اور قنوت قبل رکوع پڑھتے تھے۔

عن عائشة في حديث طويل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في كل ركعتين التحية (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے روایت کیا اس کو مسلم نے۔

صحیح مسلم کی روایت میں لفظ فی کل رکعتین اپنے عموم کے اعتبار سے وتر کی رکعتین کو شامل ہونے میں نص صریح ہے۔

حدیث: اخرج بیہقی وغیرہ عن ابن عمر و ابن مسعود رفع الیدین

بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عمر و ابن مسعود سے قنوت میں اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ اٹھانا روایت کیا ہے

مع التکبیر فی القنوت وعلیہ الرعایہ
کو روایت کیا ہے

الرد علی عبد الحی اصح المطابع ص ۲۹
(عمدۃ الرعایہ)

آٹھواں مسئلہ: تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی۔

حدیث: عن ابن عمر قلت یا رسول اللہ ارایت لو طلقتہا ثلاثا اکان یحل لی ان اراجعہا قال اذا کانت تبین منک وکانت معصیۃ۔ رواہ ابن ابی شیبہ والدارقطنی والطبرانی

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنی عورت کو تین طلاق دے دوں تو رجوع جائز ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں عورت تجھ سے الگ ہو جائے گی اور تو گنہگار ہوگا۔

(تفسیر مظہری [illegible])

حدیث: عویمر عجلانی کی طویل حدیث جس کو امام بخاری نے باب من جوز الطلاق الثلاث میں روایت کیا ہے اس حدیث کے آخر میں ہے:

فلما فرغا قال عویمر کذبت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتہا فطلقہا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پس جب دونوں (میاں بیوی) لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا کہ اگر میں اس کو اپنے پاس روکے رکھوں تو میں جھوٹا ہوں گا چنانچہ انہوں نے تین طلاقیں دے دیں اس سے پہلے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے۔

حضرت عویمر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یک مجلس تین طلاقیں دیں آپ نے اس پر انکار کیا اور نہ یہ فرمایا کہ تین طلاقیں دینا لغو ہے بلکہ آپ نے تینوں طلاقوں کو نافذ فرما دیا جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

حدیث: عن ابن شہاب عن سہل قال فطلقہا ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ابو داؤد)

یعنی حضرت ابن عباسؓ کا جب مجیب سے تین طلاقیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرمایا (ابوداؤد)

حدیث: عن عائشة ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول (بخاری) باب من اجاز الطلاق الثلاث

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے دوسرا نکاح کیا پھر اس نے بھی (بغیر جماع) طلاق دے دی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اب یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک دوسرا شوہر اس کا مزہ نہ چکھے جیسے پہلے نے چکھا تھا۔

حدیث: ان رجلا جاء الی عبد اللہ بن مسعود فقال انی طلقت امرأتی ثمانی تطلیقات فقال ابن مسعود فما قیل لک فقال قیل لی انها قد بانت منک فقال ابن مسعود صدقوا هو مثل ما یقولون (موطا امام مالک)

ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاقیں دی ہیں ابن مسعود نے فرمایا اس کے بارے سے تم سے کیا کہا گیا ہے اس نے جواب دیا مجھے کہا گیا کہ وہ عورت مجھ سے جدا ہو گئی ابن مسعود نے فرمایا لوگوں نے سچ کہا یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں۔

اس حدیث سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود کا فتوی یہی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت تمام اہل کوفہ یہی فتوی دیتے تھے۔

حدیث: نعمان بن ابی عیاش انصاری عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن العاص سے اس شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھنے کیلئے آئے جو اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے چکے تھے۔

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے کہا کنواری کی طلاق تو ایک ہے۔

فقال له عبد الله بن عمرو بن العاص انما انت قاض الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجا غيره ‌(موطا امام مالک)

پس عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے جواب سے کہا کہ تم صرف یہ جانو کہ ایک طلاق اس کو جدا کرے گی اور تین طلاقیں اس کو حرام کر دیں گی جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

حدیث۔ محمد بن ایاس بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو قبل قربت کے پہلے تین طلاقیں دیدیں پھر اس کی رائے ہوئی کہ اس سے نکاح کرے وہ فتویٰ لینے کیلئے آیا اور میں اس کے ساتھ گیا۔

فسئل عبد الله بن عباس وابا هريرة عن ذالك فقالا لا نرى ان تنكحها حتى تنكح زوجا غيرك قال فانما كان طلاقي واحدة فقال ابن عباس انك ارسلت ما كان لك من فضل۔

(موطا امام مالک)

پس حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ نے کہا تو اس سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک وہ تمہارے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اس نے کہا میں نے تو صرف اس کو ایک طلاق دی تھی ابن عباس نے کہا نہیں جو اختیار تمہارا تھا اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔

حدیث۔ ان رجلا قال لعبد الله بن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطليقة فماذا ترى علي فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا

(موطا امام مالک)

ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں آپ کے خیال میں اب مجھ پر کیا چیز واجب ہوتی ہے ابن عباس نے کہا اور تین طلاقوں کے ذریعہ عورت آزاد ہو گئی اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیتوں سے استہزاء کیا۔

حدیث ۔ عن مالک بن الحارث قال جاء رجل الی ابن عباس فقال ان عمی طلق امرأته ثلاثا فقال ان عمک عصی اللہ فاثمہ اللہ واطاع الشیطان فلم یجعل لہ مخرجا

(معانی الآثار طحاوی)

حضرت مالک ابن حارث نے کہا ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ (ابن عباس نے) کہا کہ تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کی پس اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔ (طحاوی)

حدیث ۔ عن انس قال لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ

حضرت انس نے تین یکبارگی طلاقوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس کیلئے حلال نہیں ہو گی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے (طحاوی)

روی وکیع عن الاعمش عن ابی حبیب عن ابی ثابت قال جاء رجل الی علی ابن ابی طالب فقال انی طلقت امراتی الفا فقال لہ علی بانت منک بثلاث

(طحاوی شریف)

حضرت ابو ثابت سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ تین طلاقوں سے بائن ہو گئی۔

(طحاوی)

حدیث ۔ روی وکیع ایضا عن معاویۃ ابن ابی یحیی قال جاء رجل الی عثمان بن عفان فقال طلقت الفا فقال بانت منک بثلاث (طحاوی)

حضرت وکیع نے معاویہ ابن ابی یحیی سے بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں انہوں نے کہا کہ وہ تین طلاقوں سے جدا ہو گئی (طحاوی)

حدیث ۔ قال اللیث عن نافع کان ابن عمر اذا سئل عن

حضرت ابن عمر سے جب تین طلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایک بار یا دو بار طلاق دیتا

طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة او مرتين فان النبي صلى الله عليه وسلم امرني بهذا فان طلقتها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيرك

بخاری شریف

چاہیے ہوتا کہ آنحضرت صلعم نے مجھ کو ایسا ہی حکم دیا تھا اور جب تم نے تین طلاق دیں تو وہ عورت اب حرام ہو گئی جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

بخاری شریف

حدیث ۔ وكان عبد الله اذا سئل عن ذلك قال لاحدهم اما انت طلقت امرأتك مرة او مرتين فان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرني بهذا وان كنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجا غيرك وعصيت الله فيما امرك من طلاق امرأتك

صحیح مسلم شریف

جب کوئی شخص تین طلاقیں دے کر اپنی عورت پوچھتا تو فرماتے کہ ایک یا دو طلاق دینا چاہیے تھا آنحضرت نے مجھ کو ایسا ہی حکم دیا تھا اگر تم نے تین طلاقیں دی ہیں تو وہ عورت تم پر حرام ہو گئی جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے اور تم نے اللہ کی نافرمانی کی۔

صحیح مسلم شریف

حدیث ۔ عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وان الله قال ومن يتق الله

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں حضرت ابن عباس خاموش رہے [illegible] فرمایا تم میں سے [illegible] ابن عباس [illegible]

فلم یجعل له مخرجا عصیت ربك وبانت منك امرأتك

(ابو داؤد ص ٣٠٠ ج ١)

لہٰذا تمہارے لئے کوئی راہ نہیں۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی۔ (ابو داؤد)

کتاب الآثار (امام محمدؒ) میں جو باب من طلق ثلاثا (تین طلاقیں دینے کے بیان میں)

حدیث: محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن عبد الله بن عبد الرحمن بن ابی حسین عن عمرو بن دینار عن عطاء ان رجلا جاء الی ابن عباس فقال طلقت امرأتی ثلاثا قال یذهب احدکم فیتلطخ بالنتن ثم یأتینا اذهب فقد عصیت ربك وقد حرمت علیك امرأتك لا تحل لك حتی تنکح زوجا غیرك قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة والعامة من اهل العلم لا اختلاف فیه

(کتاب الآثار ص ٥٢)

امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ عبد اللہ بن عبد الرحمن اور حضرت عمرو بن دینار کے واسطہ سے حضرت عطاءؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی گندگی سے لت پت ہو کر آتا ہے پھر ہمارے پاس آتا ہے جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم پر حرام ہو گئی تا وقتیکہ وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہؒ کا اور عام اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (کتاب الآثار)

حضرت امام حسنؓ نے اپنی بیوی کو کسی بات سے ناراض ہو کر کہہ دیا اذهبی فانت طالق ثلاثا۔ یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق۔ بعد میں حضرت امام حسنؓ کو معلوم ہوا کہ بیوی کو جدائی کا بہت صدمہ ہے آپ رو پڑے پھر فرمایا

حدیث۔ ولولا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امرأته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبهمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها

دارقطنی ج۲ ص... سنن کبری ج۷ ص۳۳۶

اگر میں نے اپنے نانا سے نہ سنا ہوتا یا اگر میں اپنے والد سے میرے نانا کا فرمان نہ سنا ہوتا انہوں نے سنا نانا رسول اللہ صلعم سے فرماتے ہوئے کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں طہروں میں دے یا تین طلاقیں مبہم ایک دفعہ میں دے دے تو جب تک وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی تو میں عورت کو ضرور واپس لے آتا (دارقطنی)

ان احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ نے پورے طور پر واضح کر دیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا یک کلمہ تین طلاقیں تینوں ہی ہو تی ہیں۔

اب رہی حدیث رکانہ جس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

اگر تین طلاق بول کر بھی ایک کی نیت کی گئی ہو تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

حدیث رکانہ۔ عن عبد اللہ بن یزید بن رکانة عن ابیه عن جده قال اتیت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقلت یا رسول اللہ انی طلقت امرأتی البتة فقال ما اردت بها قلت واحدة قال و اللہ قلت واللہ قال فهو ما اردت

ترمذی شریف ج۱ ص...

حضرت رکانہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنی عورت کو طلاق البتہ دی ہے آپ نے فرمایا تم نے کیا ارادہ کیا ہے میں نے عرض کیا ایک طلاق کا آپ نے فرمایا خدا کی قسم کھا کر کہو میں نے کہا خدا کی قسم ایک کی نیت کی تھی تب آپ نے فرمایا ارادہ کے مطابق ایک طلاق ہوگی۔

حدیث۔ عن عبد اللہ بن علی بن

حضرت رکانہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق

یزید بن رکانة عن ابیه عن جده انه طلق امرأته البتة فاتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأله فقال ما اردت بها قال واحدة قال آللّٰه ما اردت بها الا واحدة قال آللّٰه ما اردت بها الا واحدة قال فردها علیه ابن ماجہ شریف مجتبائی ص ۱۴۹

ابوداؤد مجتبائی جلد ۱ ص ۳

البتہ دی پھر رسول صلعم سے رکانہ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تمہارا کیا ارادہ تھا میں نے عرض کیا ایک طلاق آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے عرض کیا ہاں ایک کی نیت تھی تب آپ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا یعنی اسکو ایک طلاق رجعی قرار دیا۔

ابن ماجہ شریف اور ابوداؤد نے اسکو روایت کیا

مذکورہ بالا حدیث رکانہ سے ہرگز یہ بات نہیں نکلتی کہ الفاظ ثلثہ کے کہنے سے بھی نیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ خود حضرت رکانہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی عورت کو لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دی جس میں ایک سے تین تک کی گنجائش ہوتی ہے ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اور تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا واللہ ما اردت الا واحدۃ، خدا کی قسم میں نے ایک ہی طلاق کی نیت کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ ما اردت الا واحدۃ اللہ کی قسم تو نے ایک ہی کی نیت کی تھی تو رکانہ نے کہا واللہ ما اردت الا واحدۃ۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم نے نیت کی ہے اسی کا اعتبار ہے۔

غور طلب ہے اگر ایک ہی واقع ہوتی تو قسم دے کر ایک طلاق کی نیت متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی، معلوم ہوا کہ ایک کی نیت ہو یا تین کی ایک ہی شمار ہوگی لہذا یہ بات قطعاً غلط ہے کہ تین طلاق دینے کے ارادہ سے تین دے تب بھی ایک ہی واقع ہوتی ہے تین نہیں ہوتیں۔

نوافل مستقلہ یہ تراویح کی بیس رکعات ہیں۔

حدیث۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر (بیہقی علیہ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ (بیہقی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور بغوی نے مجمع صحابہ میں بیان کیا ہے۔

حدیث۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر

(زجاجۃ المصابیح)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ (زجاجۃ المصابیح)

حدیث۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام رافعی کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیہم ثم قال من الغد انی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقوھا متفق علی صحتہ دون عدد الرکعات

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہوگئے مگر آپ باہر تشریف نہیں لائے پھر دوسرے روز فرمایا مجھے اندیشہ ہوا کہ تم پر یہ فرض نہ ہو جائے اور تم اس کو ادا نہ کر سکو اور بار گراں ہوگا۔

حدیث۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شھر

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلعم رمضان میں بیس رکعات

رمضان عشرين ركعة — پڑھایا کرتے تھے۔ [illegible]

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابی ابن کعب کو اور لوگوں کو بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا فصلى بهم عشرين ركعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہ و تابعین کو) بیس رکعات پڑھائیں۔ کنز العمال ص ٢٨٤ ج ٤

حديث - عن يحيى ابن سعيد ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان يصلي بهم عشرين ركعة. رواه ابو بكر بن ابي شيبة في المصنف واسناده مرسل

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی (ابی ابن کعب) کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔
اس روایت کی سند مرسل اور قوی ہے

حديث - عن عبد العزيز ابن رفيع قال كان ابي ابن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث. اخرجه ابو بكر ابن ابي شيبة في المصنف واسناده مرسل قوي

حضرت ابی ابن کعبؓ مدینہ منورہ میں بیس رکعات رمضان المبارک میں لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے۔
اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

حديث - عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة. بيهقي ص ٤٩٦ ج ٢

یزید ابن خصیفہ روایت کرتے ہیں سائب ابن یزید سے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔

حديث - عن يزيد ابن رومان انه قال كان الناس يقومون في زمان عمر بن خطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. رواه موطا مالك ص ٤٠

یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیئیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔
رواہ موطا مالک ص ٤٠

حدیث: عن عبد الرحمن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلاً ان یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بھم

حضرت عبدالرحمٰن سلمی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں اور حضرت علی ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

(سنن الکبریٰ بیہقی ج۲ ص[illegible])

ان روایات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں صحابہ بلا کسی اختلاف کے ان کے حکم سے بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اب اس بارے میں اسلاف کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

محدث ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے۔ (الکتاب المغنی ص[illegible] ج۱)

مشہور حافظ حدیث علی بن عبد البر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص[illegible] ج۲)

(۱) حافظ ابن تیمیہ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ میں فرماتے ہیں:

فلما کان ذالک یشق علی الناس قام بھم ابی بن کعب فی زمن عمر بن الخطاب عشرین رکعۃ یوتر بعدھا بثلاث۔

جب لوگوں پر یہ بات شاق گزری تب حضرت ابی ابن کعب نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کو بیس رکعات پڑھائیں اور بعد میں وتر پڑھتے۔

آگے چل کر اور زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں:

فانه قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذالک ھو السنۃ

یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت ابی ابن کعب لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح

اور تین رکعات وتر پر علماء نے اتفاق کیا ہے علماء کے نزدیک سنت یہی ہے جو کہ گھر میں پڑھی جاتی ہیں اور اہلکے
الذی قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۱۲ ج ۱)
حاصل ہوا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی ۔

یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلد اپنا پیشوا مانتے ہیں ۔

اس فتویٰ میں تصریح ہے کہ بیس رکعت ہی سنت ہے ۔

قطب العارفین امام شعرانی فرماتے ہیں :

ثم ان عمر امر بفعلها ثلاثا وعشرین رکعة ثلاث منها وترا واستقر
حضرت عمرؓ نے بیس رکعات پڑھانے کا حکم دیا اس میں تین رکعات وتر ہیں اور تمام شہروں
الامر علی ذالک فی الامصار (کشف الغمہ ص ۱۱۴)
یعنی یہی مقرر ہو گیا ۔

مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن مرحوم بھوپالی کا ارشاد ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے

(عون الباری ص ۳۱۷ ج ۴)

علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں :

کانوا یقومون علی عهد عمر بعشرین رکعة وعلی عهد عثمان وعلی مثله (عینی ج ۵)
حضرت عمر و عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں ۔

شیخ عبد القادر جیلانی (غوث اعظم) فرماتے ہیں :

وهی عشرون رکعة یجلس عقیب کل رکعتین ویسلم وهی خمس ترویحات کل رکعتین
تراویح کی بیس رکعات ہیں ہر دو رکعت پر قعدہ کیا جائے اور سلام پھیر دیا جائے اور اس طرح نیت کرے
اصلی رکعتی التراویح المسنونة (غنیۃ الطالبین)
میں دو رکعت تراویح مسنونہ پڑھتا ہوں ۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

التراویح وهی عشرون رکعة وکیفیتها مشهورة وهی سنة مؤکدة (احیاء العلوم ج۱)
تراویح کی بیس رکعات ہیں اور اس کی کیفیت مشہور اور معروف ہے۔

مولانا قطب الدین خان محدث دہلوی فرماتے ہیں لیکن اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (مظاہر حق ج۱ ص۳۳۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعات مقرر ہوئی تھیں۔ فرماتے ہیں:

زادت الصحابة ومن بعدهم فی قیام رمضان ثلاثة اشیاء۔ الاجتماع له
صحابہ و من بعدہم نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں۔ مسجدوں میں جمع ہونا کیونکہ اس
فی مساجدهم وذلك لانه یفید التیسیر علی خاصتهم وعامتهم واداءه فی اول
سے عوام و خواص پر آسانی ہوتی ہے اور اس کو شروع رات میں ادا کرنا حالانکہ آخر رات میں نماز
اللیل مع القول بان صلوة آخر اللیل مشهودة وهی افضل کما نبه عمرؓ لهذا
کا پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور تعداد
التیسیر الذی اشرنا الیه وعدده عشرون رکعة (حجة الله البالغة ج۲)
تراویح کی بیس رکعات ہے۔

اب رہی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن	حضرت ابو سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں
انه اخبره انه سأل عائشة رضی کیف	نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی
کانت صلوة رسول الله صلی الله	اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی
علیه وسلم فی رمضان فقالت	حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ رمضان
ما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم	اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے

يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثا. قالت عائشة فقلت يا رسول الله تنام قبل أن توتر فقال يا عائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي

بخاری شریف کتاب التہجد ص ۱۵۴ ج ۱

رمضان میں چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھ پھر چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھ پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

(بخاری شریف)

یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے نہ کہ تراویح کے بارے میں کیونکہ اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں جو رمضان کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سارا سال پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے چنانچہ علماء محدثین اور علماء کبار نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

علامہ شمس الدین کرمانی شارح بخاری فرماتے ہیں لما ان المراد بها صلوة الوتر والسؤال والجواب واردان عليه یعنی حدیث میں تہجد مراد ہے اور حضرت ابو سلمہ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۵)

حضرت شاہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزاردہ تہجد بود کہ یازدہ رکعت باشد یعنی اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت وتر سمیت جو پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں روایت محمول برنماز تہجد است کہ

در رمضان و غیر رمضان رکعات ہوتی تھی وہ نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص۱۲۵)

پھر یہ بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ ائمہ حدیث نے اس حدیث عائشہ کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے نہ کہ باب تراویح میں ملاحظہ ہو مسلم شریف ج۱ ص۲۵۴

سنن ابو داؤد ج۱ ص۱۹۶ ترمذی شریف ج۱ ص۵۸ نسائی شریف ج۱ ص۱۵۴ موطا امام مالک ص۴۲

ان حوالوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے

امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی مشہور کتاب "قیام اللیل" میں قیام رمضان کا باب باندھا ہے اور بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہ نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں دیکھئے قیام اللیل ص۱۱ علامہ حافظ حدیث ابن قیم نے بھی زاد المعاد ص۸۶ میں قیام اللیل و تہجد کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبی کا یہ قول بھی ملاحظہ ہونا چاہیے کہ بہت سے اہل علم اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں (عینی شرح بخاری ج۵ ص۳۵۷)

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ روایت عائشہ آٹھ رکعت تراویح کیلئے کسی طرح قابل حجت نہیں اس کے برخلاف حضرت ابن عباس کی بیس رکعت والی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اسکو عملاً قبول کر لیا ہے۔

دسواں مسئلہ: عیدین کی نماز میں تکبیرات زوائد چھ ہیں۔

حدیث: عن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن ابیہ عن مکحول قال اخبرنی ابو عائشۃ جلیس لابی ہریرۃ ان سعید بن العاص

حضرت مکحول سے روایت ہے کہ ابو عائشہ صاحب ابو ہریرہ نے خبر دی کہ حضرت سعید بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة
بن اليمان كيف كان يكبر رسول الله
صلى الله عليه وسلم في الأضحى
والفطر فقال أبو موسى كان يكبر
أربعا تكبيره على الجنائز فقال
حذيفة صدق فقال أبو موسى
كذلك كنت أكبر في البصرة حيث
كنت عليهم وقال أبو عائشة وأنا
حاضر سعيد بن العاص

جاتی تھیں اور عید الفطر میں کس طرح تکبیریں کہا کرتے
تھے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا جس طرح
جنازہ میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں اسی طرح
جناب رسول صلعم عید میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے
تھے حضرت حذیفہ نے فرمایا آپ سچ کہتے ہیں اس
پر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا اسی طرح میں
بصرہ میں تکبیریں کہا کرتا تھا جب میں وہاں حاکم تھا
کہتے ہیں کہ میں اس وقت سعید بن العاص کے
پاس موجود تھا

(ابو داؤد ص ۱۶۳ مصری)

حديث - محمد قال أخبرنا أبو
حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن
عبد الله بن مسعود أنه كان
قاعدا في مسجد الكوفة ومعه
حذيفة بن اليمان وأبو موسى الأ
شعري فخرج عليهم الوليد ابن
عقبة بن أبي معيط وهو أمير
الكوفة يومئذ فقال إن غدا
عيدكم فكيف أصنع فقالا أخبره
يا أبا عبد الرحمن كيف يصنع
فأمره عبد الله بن مسعود أن

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ
مسجد کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حضرت
حذیفہ، ابو موسیٰ اشعری بھی تھے تو ولید بن
عقبہ ان کے پاس آئے جو ان دنوں کوفہ کے حاکم تھے
انہوں نے کہا کل عید ہے میں کیا کروں حضرت حذیفہ نے کہا اے
ابو عبد الرحمن یہ کیسے کریں آپ ان کو
بتلائیے تب حضرت ابن مسعود نے ان کو حکم دیا کہ وہ
نماز پڑھیں بغیر اذان و اقامت کے اور پہلی
رکعت میں پانچ تکبیریں ایک تکبیر تحریمہ اور چار تکبیریں
زوائد کہو اور ایک تکبیر رکوع کی اور دوسری رکعت میں
چار تکبیریں کہو تین تکبیرات زوائد اور ایک تکبیر رکوع کی

يصلي بغير أذان ولا إقامة وأن
يكبر في الأولى خمسا والثانية
أربعا ويوالي بين القراءتين ويخطب
بعد الصلوة على راحلة
كتاب الآثار امام محمد ومصنف عبد الرزاق

اور نماز کے بعد خطبہ پڑھے اپنی سواری پر اور قربانی
تھا اور پہلی میں پانچ تکبیرات پہلی رکعت میں قبل القراۃ
اور دوسری رکعت میں بعد القراۃ
روایت کیا اس کو کتاب الآثار امام محمد اور
مصنف عبد الرزاق نے۔

حدیث: حدثنا هشيم أخبرنا خالد
عن الشعبي عن مسروق قال عبد
الله بن مسعود يعلمنا التكبير
في العيدين تسع تكبيرات خمس
في الأولى وأربع في الآخرة ويوالي
بين القراءتين ويخطب بعد
الصلوة على راحلة والمراد بـ
الخمس تكبيرة الافتتاح والركوع
وثلث زوائد وبالأربع ثلث
زوائد وتكبيرة الركوع

حضرت مسروق سے مروی ہے کہ حضرت عبد
اللہ بن مسعود ہمیں عیدین کی تکبیریں سکھاتے تھے نو
تکبیریں پہلی رکعت میں اور چار دوسری میں اور یہ کہ حضرت
عبد اللہ بن مسعود دونوں رکعتوں کی قراءت کے
درمیان تکبیر زائد نہیں کہتے تھے اور سواری کے
اوپر ہی خطبہ پڑھتے تھے اور پہلی رکعت
میں پانچ تکبیروں سے مراد ایک تکبیر تحریمہ اور ایک
تکبیر رکوع اور تین تکبیرات عید ہیں اور دوسری
رکعت کی چار تکبیروں سے مراد تین تکبیرات عید
اور ایک تکبیر رکوع۔

(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی نو تکبیروں کی تفصیل حضرت مسروق ان کے شاگرد
فرماتے ہیں۔

حديث: عن علقمة والأسود قالا
كان ابن مسعود جالسا وعنده
حذيفة وأبو موسى الأشعري

حضرت علقمہ اور حضرت اسود فرماتے ہیں کہ حضرت
عبد اللہ بن مسعود کے پاس حضرت حذیفہ
اور ابو موسیٰ اشعری تشریف فرما تھے حضرت

فسألهم سعيد بن العاص عن التكبير في الصلوٰة فقال حذيفة سل الاشعري فقال الاشعري سل عبد الله فانه اقدمنا واعلمنا فسأله فقال ابن مسعود كان يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم في الثانية فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القراءة

(رواه عبد الرزاق في مصنفه)

سعید بن العاص نے نماز عید کی تکبیرات کے بارے میں سوال کیا تو حضرت حذیفہ نے کہا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے دریافت کرو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے دریافت کرو کیونکہ وہ ہم سے بزرگ ہیں اور ہم سب سے زیادہ علم والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ پہلی رکعت میں چار تکبیریں (ایک تکبیر افتتاح اور تین تکبیرات عید) کہہ کر قرأت کرتے پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہو جاتے اور قرأت کرتے پھر چار تکبیریں (تین تکبیرات عید اور ایک تکبیر رکوع) کہتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق)

(۱۱) گیارھواں مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی کو وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے یعنی دعا میں اس طرح کہنا کہ اے اللہ فلاں بزرگ کے وسیلے سے یا بحق فلاں یا بحرمت فلاں بزرگ میری فلاں حاجت پوری کر دے جائز بلا کراہت ہے اور ارجی للاجابت ہے۔

حدیث: عن عثمان بن حنيف قال ان رجلا ضرير البصر اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله ان يعافيني فقال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خير لك قال فادعه قال فامره ان يتوضأ فيحسن الوضوء

حضرت عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ایک شخص کی نظر میں کچھ نقصان تھا وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ اللہ سے میری صحت کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کر دوں اور چاہے تو صبر کر تو کیونکہ یہ (صبر) تیرے لیے بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ دعا ہی فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اچھا تو اس طرح

وبیدہ ہو بھذا الدعاء اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجہت بک الی ربی لیقضی لی فی حاجتی ھذہ اللھم فشفعہ۔

اور پھر اس طرح دعا کرو: اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نبی رحمت ہیں وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں میں نے آپ کا وسیلہ اختیار کیا ہے تاکہ میری حاجت پوری ہو، اے اللہ ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے۔ نیز اس حدیث کو حصن حصین نے بحوالہ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و حاکم سے نقل کیا ہے۔ بروایت حاکم آپ کی دعا سے ان کی بینائی واپس ہو گئی۔

حدیث۔ عن انس ان عمر بن الخطاب کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون (رواہ البخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے اور کہتے اے اللہ ہم تیری درگاہ میں اپنے نبی کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے اور تو بارش برساتا تھا اب ہم آپ کے چچا کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں تو بارش برسا۔ چنانچہ بارش ہو جاتی تھی۔ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

حدیث۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی تب انہوں نے کہا اے میرے پالنے والے میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو بخش دے۔

محدث حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے اور دلائل نبوت میں امام بیہقی اور طبرانی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

امام تقی الدین سبکی نے حضرت عمر کے تحت میں شفاء السقام میں انبیاء علیہم السلام کی ذات سے وسیلہ پکڑنے میں علاوہ ابن تیمیہ کے سوا کسی کو اختلاف سلف و خلف سے نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے۔

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نماز کیلئے نکلا اور یہ کہا ہو کہ اے اللہ میں ان سوال کرنے والوں کے حق کے بدلے جو تجھ پر ہے اور میں اس نماز کی طرف چلنے کے حق کے بدلے تجھ سے سوال کرتا ہوں جنگ میں برائی چاہتے اور نافرمانی کرنے اور دکھانے سنانے کے واسطے باہر نہیں ہوا ہوں بلکہ تیری خوشنودی چاہ کر اور تیرے عذاب سے ڈر کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے اور میرے کل گناہوں کو بخش دے حق یہ ہے کہ تیرے سوا کوئی ہمارے گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے تو اس کی دعا قبول ہوگی اور بخشا جائیگا۔

اس روایت کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۳ میں نقل کیا ہے۔

حدیث: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ اس طرح کہو اے اللہ میں تجھ سے طلب کرتا ہوں حضرت محمد صلعم کے طفیل حضرت ابراہیم کے طفیل حضرت عیسیٰ کے طفیل اور توریت و انجیل و زبور اور قرآن مجید کے طفیل اور ہر اس وحی کے بدلے جو تو نے کسی پر بھیجی ہے اور ہر حاجت کے وسیلہ جس کو تو نے پورا کیا ہے اور ہر اس سائل کے واسطے جس کو تو نے عطا فرمایا۔ اس روایت کو صاحب قوۃ القلوب اور ملا علی قاری نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

حدیث: حافظ ابو زرعہ دمشقی حضرت کعب احبار سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اپنے نبی کے اہل بیت کے وسیلہ سے بارش مانگنا بنی اسرائیل میں بھی رائج تھا۔ اس روایت سے ملا ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں الٰہی بوسیلہ فلاں نبی یا بطفیل فلاں نبی کہنا جائز اور اسلم

ذریعہ ہے بزرگان دین کی ذات یا ان کے آثار اور ملبوسات وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا میں برکت اور طفیل چاہنے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں حضرت اسماء نے ایک جبہ طیالسی کسروانیہ جس کے دامن و گریبان و آستین میں ریشمی سنجاف لگے ہوئے تھے نکال کر مجھے دکھایا اور کہا یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ حضرت عائشہ کے پاس ان کی وفات کے زمانہ میں تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو دھو کر بیماروں کو پلاتی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس جبہ کی برکت و توسل سے شفا چاہا کرتی ہوں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صلحاء کے ملبوسات توسل اور برکت کا ذریعہ ہوتے ہیں یہ ہمارا فیصلہ نہیں بلکہ عسقلانی اور امام نووی مسلم کے حقیقت شناس شارحین حدیث کا فیصلہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بخاری کی شرح فتح الباری جلد ۹ میں فرماتے ہیں:

وھو اصل فی التبرک بآثار الصالحین۔ یعنی یہ حدیث آثار الصالحین سے برکت حاصل کرنے میں سند ہے۔

علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری جلد ۷ میں فرماتے ہیں:

وھو اصل فی التبرک بآثار الصالحین۔

شیخ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

وفیہ التبرک بآثار الصالحین وثیابھم یعنی آثار الصالحین اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کی سند اس حدیث کے اندر موجود ہے۔

ملا علی قاری شیخ الاسلام اور علامہ زرقانی بھی اس کے قائل ہیں حتیٰ کہ

نواب صدیق حسن خاں مسک الختام شرح بلوغ المرام میں تحریر فرماتے ہیں: و درین جا دلیل است بر جواز استشفاء بملبوسات بزرگان و لمس آن و برکت بسبب ملامسات بدن ایشان۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں پر بعض حضرات کی طرف سے شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا کی ذات اتنی اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کے اوپر کسی بھی چھوٹے بڑے کے حق کا تخیل تک اس کی شان عظمت کے منافی ہے لہذا اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے اور اس پر کوئی چیز بھی واجب ضروری نہیں ہے پھر بندوں کو اپنی دعاؤں میں بحق فلاں یا بحرمت فلاں کہنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے ویکرہ ان یقول الرجل فی دعائہ بحق فلان او بحق انبیاءک لانہ لا حق للمخلوق علی الخالق یعنی دعا میں کسی آدمی کا بحق فلاں یا بحق انبیاء کہنا مکروہ ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

(جواب) اللہ تعالیٰ پر بندے کے حق کا مطلقاً انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے یہ بھی حدیث کے خلاف اور معارض ہے صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں معاذ بن جبل سے روایت ہے:

قال كنت ردف النبي صلى الله عليه وسلم على حمار ليس بيني و بينه الا مؤخرة الرحل فقال يا معاذ هل تدري ما حق الله على عباده وما حق العباد على الله قلت الله ورسوله اعلم قال فان حق الله على العباد ان يعبدوه

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں آنحضرت کے پیچھے گدھے پر سوار تھا میرے اور آپ کے درمیان زین کی پچھلی لکڑی حائل تھی آپ نے فرمایا اے معاذ تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق کیا ہے اور کیا حق بندوں کا اوپر اللہ کے حضرت معاذ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا

ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد
علی الله ان لا یعذب من لا
یشرک به شیئا قلت یا رسول
الله افلا ابشر به الناس قال
لا تبشرهم فیتکلوا (متفق علیه)

بیشک اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت
کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ کریں اور حق بندوں
کا اللہ پر یہ ہے کہ جو نہ کرے اس کا کسی کو شریک کیا
اس کو عذاب نہ دے حضرت معاذ نے فرمایا کہ میں بھی
خوشخبری لوگوں کو نہ پہنچا دوں۔ آپ نے فرمایا خوشخبری مت
پہنچاؤ ورنہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔

اس روایت کو امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں پانچ جگہ ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک نہ کرنے والوں کو کسی قسم کا عذاب نہ دیگا۔ اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر ذکر فرماتے ہیں تو بندوں کے حق کا انکار کس طرح کیا جا سکتا اور یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔

حقیقت حال یہ ہے لفظ حق متعدد معنوں میں آتا ہے۔ واجب عقلی جس کا ثبوت اور لزوم دلائل عقلیہ قطعیہ سے ہوتا ہو اور جس کا خلاف مستحیل اور ممنوع عقلی ہو۔

معتزلہ چونکہ صلح اصلح کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب اور ضروری قرار دیتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک اہل توحید کی مغفرت اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے اس لئے فقہائے معتزلہ کی تردید میں کہا ہے لاحق للمخلوق علی الخالق کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق واجب اور لازم بلزوم عقلی نہیں۔

ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل توحید کی مغفرت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے الحق المنفی علی الخالق انه لاحق لهم وجوبا علی الله تعالیٰ لکن الله سبحانه وتعالیٰ جعل لهم حقا فی فضله یعنی جو یہ حق [illegible] حق بمعنی [illegible] عقلی کو نفی کیا گیا ہے اور اہل سنت جب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں تو معتزلہ کی طرح [illegible]

معنی مراد نہیں لیتے بلکہ وہ جب بطفیل تعالیٰ مراد لیتے ہیں حق کے دو دوسرے معنی اعزاز اور بزرگی کے آتے ہیں یعنی وہ چیز جو کہ عزت اور شرف رکھنے والی ہو اور ہدایت سے نوازی گئی ہو جیسا کہ شرح عقائد جلالی نامی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر ہے۔ او یراد بالحق الحرمۃ والعظمۃ فیکون من باب الوسیلۃ وقد قال اللہ تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسیلۃ الغرض دعا میں جب لفظ حق کہا جاتا ہے تو اس سے واجب عقلی مراد نہیں ہوتا بلکہ ایسے معنی مراد ہوتے ہیں جن سے توسل کہا جا سکتا ہے جو ادعی للاجابۃ ہے۔

علمائے کتاب و سنت کا یہ مشہور اور متفقہ مذہب ہے کہ بحرمت فلاں یا برکت فلاں یا حق فلاں وغیرہ کے ذریعہ دعا کرنا اور وسیلہ پکڑنا جائز ہے حافظ ابن تیمیہ اس کو ناجائز فرماتے ہیں چونکہ فرقہ اہل حدیث وسیلہ کے مسئلہ میں جمہور امت کے خلاف حافظ ابن تیمیہ کی اتباع اور تقلید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعا میں وسیلہ پکڑنا جائز نہیں ہے اور اس بارہ میں حدیث ابوداؤد کو پیش کر کے عوام کو مغالطہ دیتے ہیں اور غلط ترجمہ کر کے سمجھاتے ہیں کہ اس حدیث میں وسیلہ کی ممانعت کی گئی ہے اس لئے ہم یہاں حدیث ابوداؤد کو بیان کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس حدیث میں وسیلہ کی ممانعت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

عن جبیر بن مطعم قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی وقال جهدت الانفس وجاع العیال ونهكت الاموال وهلكت الانعام فاستسق اللہ فانا نستشفع باللہ علیک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ فما زال یسبح حتی

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ حضور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ لوگوں کی جانیں مشقت میں پڑ گئیں بچے بھوکے ہو گئے ان کے مال ہلاک ہو گئے چوپائے ہلاک ہو گئے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے بارش کی دعا مانگئے ہم خدا سے آپ کی سفارش چاہتے ہیں اور آپ کے سامنے خدا کی سفارش۔ آپ نے یہ بات سن کر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور اتنی دیر تک تسبیح فرماتے

عرف ذالك في وجوه اصحابه ثم قال ويحك انه لا يستشفع بالله على احد شان الله اعظم من ذالك ويحك اتدري ما الله ان عرشه على سمواته هكذا وقال باصبعه مثل القبة عليه وانه ليئط به اطيط الرحل بالراكب

(رواه ابو داود)

یہ سنا کر آپ کے رفقاء کے چہروں پر بھی اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا افسوس تو نے خدا کی سفارش کسی کے سامنے پیش نہیں کی جاتی اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بالا و برتر ہے۔ تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کس قدر بلند ہے اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح قائم ہے اور اس کا نقشہ آپ نے اپنی انگلیوں سے قبے کی شکل بنا کر دکھلایا اور وہ اس کی عظمت سے اس طرح چرچر کر رہا ہے جیسا کہ پالکی وہ سوار کے بوجھ سے چرچر کرتا ہے۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے)

یہاں اس اعرابی نے خدا رسول کا تو تذکرہ کیا لیکن اس قسم کا کوئی اور رشتہ نہیں سمجھا تھا جس میں ایک دوسرے کو سفارش کا حق ہوتا ہے اسی لئے اس نے اپنے پیرو وار خیال کے مطابق خدا کی سفارش رسول کی بارگاہ میں پیش کی تاکہ رسول کی پوری توجہ ہی درخواست کی جانب مبذول ہو جائے مگر رسول نے اسے سمجھایا کہ خدا کی ذات اتنی اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کو کسی بڑے سے بڑے کے سامنے سفارش کا بھی قائم کرنا اس کی شان عظمت کے منافی ہے۔ رسول ہی اس کے دربار کے سفارشی ہیں اور وہ بھی اس کی اجازت کے بعد آنحضرت صلعم کی یہ اصلاح صرف زبانی ہی نہ تھی بلکہ اس شدت عظمت کے ساتھ تھی کہ وہ عذر آپ کے چہروں پر بھی اس کا اثر نمایاں معلوم ہوتا تھا۔ اس حدیث کو وسیلے کے عدم جواز پر پیش کرنا اعلیٰ درجہ کی جسارت ہے۔

فقط والسلام

محمد اسمٰعیل